اداریہ

برما واپسی سے اچھا ہے کہ یہیں ختم کر دیا جائے

۱۹۵۵ء شہریت ایکٹ میں ترمیم کے تحت افغانستان، پاکستان اور بنگلہ دیش کے ہندو، پارسی، سکھ، عیسائی اور بدھسٹ تارکین وطن کو دستاویزی ثبوت کے بغیر شہریت دی جاسکتی ہے تو پھر میانمار کے روہنگی مسلمانوں کو اقوام متحدہ کی طرف سے فراہم کردہ شناخت نامہ کے باوجود پناہ گزیں کا درجہ بھی نہیں مل سکتا؟

محمد ظفر الدین برکاتی★

تاریخ کا خلاصہ جس طرح سامنے آیا ہے، اس کے تناظر میں یہ دیکھ کر احساس ہوتا ہے کہ آج کل مسائل کا انبار ہے۔ بین الاقوامی اور قومی خبریں بھی اتنی آسانی سے ہر دن فراہم ہوتی ہیں کہ مقامی اور صوبائی کے بعد قومی سطح کے مسائل بھی مقامی لگتے ہیں مگر بے شمار ہونے کی وجہ سے ذہنوں میں گم اور نظروں سے اوجھل ہوجاتے ہیں لیکن جب جذباتی طور پر لوگ کسی مسئلے پر نظر توجہ جما لیتے ہیں، تب اس کی طرف سب کی توجہ ہو پاتی ہے۔

روہنگیا مسلمانوں کے اوپر برمی فوج اور حکومت کے سرکاری ظلم و تشدد کا مسئلہ بھی دو دہائی پرانہ مسئلہ ہے لیکن ترکی کے صدر طیب اردگان کے ذریعہ عالمی طور پر اُن کا تعارف کرانے کے بعد لوگوں کے جذبات سامنے آئے اور انسانیت کی بنیاد پر ہر ملک اور ہندوستان کے ہر بڑے شہر میں احتجاج ہونے لگے۔ میانمار کی اسٹیٹ کونسلر آنگ سان سوکی، میانمار کے سفیر برائے ہند، ہندوستان میں اقوام متحدہ کے نمائندے اور ہندوستان کی وزیر خارجہ کو احتجاجی میمورنڈم دِیے جانے لگے اور حکومت سے مطالبہ کیا جانے لگا کہ وہ برما کی حکومت پر دباؤ بنائے کہ روہنگیا مسلمانوں کی شہریت کو بحال کرے، ہندوستان اور بنگلہ دیش میں پناہ لے چکے روہنگیوں کو واپس بلا کر اُن کے علاقوں میں بسائے لیکن جب تک وہاں کی حالت خوش گوار نہیں ہوجاتی، تب تک بھارت سرکار یہاں قیام پذیر روہنگی مسلمانوں کو پناہ گزیں تسلیم کرے اور سرکاری سطح پر تارکین وطن کے ساتھ تہذیبی روایت کو باقی رکھنے کی کوشش کرے۔ اِس سلسلے میں ہماری ایک مشاورتی نشست بھی دہلی میں ہوئی جس کی تفصیل یہ ہے:

’’۱۹۸۲ء میں برما کی حکومت نے ایسی دستوری سازش کر ڈالی کہ روہنگیا مسلمان اپنے ہی دیش کے شہری نہ رہے پھر اُس کے بعد اُن کے مذہبی حقوق بھی چھین لیے گئے۔ ان کا مسلم پرسنل لا، پوری طرح خطرے میں آگیا کہ وہ اپنے سماجی، خاندانی اور مذہبی معاملات اور معمولات کے لئے مقامی حکام وافسران سے اجازت وتائید لینے پر پابند کر دِیے گئے اور جنھوں نے اس کی خلاف ورزی کی، ان کو سخت کارروائی کے نام پر شہر بدر کیا گیا پھر ملک بدر کیے جانے کا سلسلہ شروع ہوا۔ اس کے بعد برمی بدھشٹ ان کے جان ومال اور عزت وآبرو کے دشمن ہوگئے۔

قادری ہال دار القلم، نئی دہلی میں ۱۲، ستمبر کو رضا اکیڈمی ممبئی کے زیر اہتمام ایک مشاورتی میٹنگ کو خطاب کرتے ہوئے معروف عالم دین مولانا یٰسین اختر مصباحی صاحب نے اِن خیالات کا اظہار کیا۔ مولانا مصباحی نے کہا کہ ہر کام آندولن اور احتجاج سے نہیں ہوتا بلکہ اس کے لیے قانونی اور سیاسی چارہ جوئی بھی کرنا ہوتی ہے۔ ہمارے روہنگیا مسلمانوں کی مشکلات بھی اسی طرح کی ہیں جو ہم سے اقدام کا تقاضہ کر رہی ہیں، اس لئے ہمیں برمی حکومت سے میانمار کے مسلمانوں کی شہریت بحال کرانے، ان کو تسلیم وقبول کرانے اور دوسرے ملکوں کے راحتی کیمپوں میں پناہ گزیں ان کے ہم وطن مسلمانوں کو واپس بلانے کے لیے ہمیں قانونی اور سیاسی سطح پر اقدام کر دینا چاہیے۔ اجلاس کے میزبان الحاج محمد سعید نوری نے کہا کہ ہم نے وزیر خارجہ محترمہ ششما سوراج، اقوام متحدہ کے سکریٹری جنرل، برمی خاتون لیڈر آنگ سان سوکی اور بنگلہ دیش کی صدر شیخ حسینہ کو

باضابطہ خط لکھا ہے اور ترکی صدر طیب اردگان کو بھی حمایت کا خط لکھا گیا ہے جو کہ انہیں موصول ہو گئے ہیں اور آج میانمار کے ہندوستانی سفیر، ہندوستان میں اقوام متحدہ کے نمائندے سے ملاقات کر کے احتجاجی مکتوب دینا ہے اور ترکی و بنگلہ دیش کے سفیروں کو حمایت وتشکر نامہ پیش کرنا ہے جس کے لیے ہم لوگ روانہ ہو رہے ہیں۔ اس کے بعد وزیر داخلہ اور، وزیر اعظم ہند کو باضابطہ خط لکھنا ہے اور ملاقات کر کے پیش کرنا ہے پھر کوئی کانفرنس کر کے قانونی اور سیاسی طور پر درپیش مسائل ومشکلات پر مذاکرہ کر کے اقدامی کارروائی کا سلسلہ آگے بڑھانا ہے۔

سید رمان ہاشمی (میڈیا) نے روہنگیا مسلمانوں پر برما حکومت اور پولیس فورس کی حمایت سے وہاں کے بدھشٹوں کی دہشت گردانہ حرکتوں اور ظلم وتشدد کے حوالے سے تاریخ کا خلاصہ پیش کیا، مولانا محمد ظفرالدین برکاتی نے شوسل میڈیا پر مثبت اور منفی پیش قدمیوں پر روشنی ڈالی اور گزارش کی کہ روہنگیا مسلمانوں کی ہمدردی اور حمایت کے خلاف پوسٹ اور کمنٹ کو نظر انداز کریں اور مثبت رویہ اپنائیں۔ محمد اکرم قادری نے راحتی کیمپوں میں پناہ گزیں روہنگی مسلمانوں کی رہائشی صورت حال کو بیان کیا۔ مولانا محمد اشرف الکوثر مصباحی نے نظامت کے فرائض انجام دیے اور موضوع ومقصد کا تعارف کرایا۔

سب کی اتفاقِ رائے سے اقوامِ متحدہ کے کمشنر برائے انسانی حقوق زید آر حسین کے اِس مذمتی بیان کی تائید کی گئی کہ روہنگیا مسلمانوں کو ہندوستان سے واپس بھیجنے کے لیے مرکزی حکومت کی کوشش بین الاقوامی قانون برائے انسانی حقوق کے خلاف ہے۔ اُسی طرح دلائی لامہ کے بیان کی تحسین کی گئی کہ میانمار کی شمال مغربی ریاست راخین میں جاری تشدد، بودھ مت کی تعلیمات کے خلاف ہے۔ یونہی بیرسٹر اسدالدین اویسی صاحب کی مانگ کی تائید کی گئی کہ اگر ہندوستان میں پناہ گزیں روہنگی مسلمانوں کو واپس کرنا ہے تو پھر تبتی اور بنگالہ دیشی شہریوں کو بھی واپس کرو۔'' (قومی اخبارات ۱۳ر ستمبر ۲۰۱۷ء دہلی)

۱۹۸۲ء کے بعد برما میانمار کی راخین ریاست کے روہنگی نسل کے مسلم باشندوں کی شہریت ختم کرنے اور قانونی تحفظ کو صفر کرنے کے بعد آزادی سے عبادت کا حق بھی چھین لیا گیا۔ روزگار، صحت اور تعلیم کی حالت ابتر ہوتی چلی گئی، نتیجہ یہ ہوا کہ شرح خواندگی صرف ۱۵ فیصد رہ گئی۔ دہلی کے مسلم اکثریتی علاقہ شاہین باغ سے قریب واقع کنچن کنج میں پناہ گزیں روہنگی مسلمانوں کے ۷۴ خاندانوں سے ملاقات کے بعد احساس ہوا کہ اب ان میں خود کفیل بننے کا جذبہ خوب سے خوب تر ہے۔ ہم نے خورد ونوش کی ضروری چیزیں دینے کی بات کی تو اُن کے قائد محمد سلیم اللہ نے کہا کہ آپ ہمیں روزگار دیں، اِس کا ہم انتظام کر لیں گے۔ اس کے بعد ہم نے ان کے ذریعہ بنائی گئی خوب صورت ''مسجد اراکان'' میں تعلیم حاصل کر رہے بچوں کے لیے معلم اور کتابیں فراہم کرنے کی بات تو خوشی سے مچل گئے۔ ان کی ضرورت اور خوشی کو دیکھتے ہوئے رضا اکیڈمی ممبئی کے سربراہ الحاج محمد سعید نوری نے طے کر لیا کہ اِن شاء اللہ ہم آپ کو بچوں کے لیے ایک معلم اور عورتوں کے لیے ایک معلمہ بھی فراہم کریں گے پھر مولانا محمد اشرف الکوثر مصباحی، محمد عظیم نقشبندی، مولانا زین اللہ نظامی کے ساتھ دوبارہ ملاقات میں ہم نے کتابیں، کاپیاں، وائٹ بورڈ، پنسل اور قلم وغیرہ فراہم کیے اور ہر خاندان کے لیے مچھر دانی، مچھر مار اگربتی اور ضروری دوائیں فراہم کیے۔ آئندہ ہفتے تعلیم وتربیت کا سلسلہ بھی شروع ہو جائے گا (ان شاء اللہ) ان کی اطلاع کے بعد پھر طے ہوا کہ دہلی کے اتم نگر (وڈالہ) اور فرید آباد کے پناہ گزیں خاندانوں میں بھی یہی اسباب فراہم کیے جائیں گے۔

ہماری باضابطہ بات ملاقات کے ذریعہ سروے کے مطابق دہلی واطراف کے تین چار مقامات میں میانمار کے روہنگیا مسلمانوں کی صورت حال یہ ہے کہ اب انھیں کوئی ملازمت دینے کو تیار نہیں۔ ''روہنگیا'' سنتے ہی کہتے ہیں کہ ''نا بھائی'' اوکھلا میں شاہین باغ سے قریب کنچن کنج میں زکوٰۃ فاؤنڈیشن دہلی کی طرف سے دارالہجرت کے نام سے ایک ڈیڑھ بیگھہ زمین پر انہیں بسایا گیا ہے جس میں عبادت اور تعلیم وتربیت کے لیے انھوں نے ایک خوب صورت کچی مسجد بنالی ہے۔ یہاں ۷۴ خاندان ہیں جس کے تحت ۲۳۰ سے زائد افراد ہیں۔ بارہ سال کی عمر تک کے ۸۰ بچے اور بچیاں جب کہ ۵۰، ۶۰ نوجوان، جوان اور بوڑھے مرد اور ۱۰۰ عورتیں ہیں۔ اِن سب کے لیے صرف چار بیت الخلاء ہیں دو مردوں کے لیے اور دو عورتوں کے لیے۔ اسی کے قریب شاہین باغ میں ۶۵ خاندان یعنی ۳۰۰، افراد ہیں اور کھجوری میں ۵۰ خاندان کے تحت ۲۵۵، افراد پناہ گزیں

ہیں۔ اتم نگر بلاک سی وِکاس پوری میں ۳۰ خاندان کے تحت ۱۵۰، افراد مقیم ہیں جب اُن ہی کے ساتھ آئے ۴۰ روہنگیا مسلم خاندانوں کے ۲۰۰، افراد عیسائی ہو گئے ہیں۔ (شاید ہماری طرف سے توجہ اور مدد نہ ملی، اس لیے وہ مرتد ہو گئے) غازی آباد (یوپی) میں سلاٹر ہاؤس کے قریب میٹ فیکٹری میں بھی روہنگیا مسلمانوں کے کئی خاندان اپنی روزی روٹی کے لیے لگے ہوئے ہیں جب کہ ہریانہ میں ضلع فرید آباد کے مشیڈی گاؤں میں بھی کئی روہنگیا مسلم خاندان پناہ گزیں ہیں۔

یہ لوگ عام طور سے لیبر، صفائی، بار برداری، ٹھیلی لگانے اور مزدوری کرنے کا کام کرتے ہیں۔ عورتیں بھی گھروں میں کام کرتی ہیں لیکن جب سے ان کے اوپر سیاست شروع ہوگئی ہے، تب سے اُن کے لیے روزی روٹی کو لے کر دِقت کھڑی ہوگئی ہے، اس لیے اب پہلے سے زیادہ ہماری توجہ اور مدد کے محتاج ہو گئے ہیں اور ہمدردی کے بھی۔ اس لیے ہم نے پہلے تعلیمی ضرورت پوری کی ہے اور مزید کوشش میں ہیں۔ اس سلسلے میں ہماری پیش قدمیوں سے متعلق اخباری تراشے یہاں نقل کیے جاتے ہیں تا کہ سند، رہے۔

''انسانی زندگی کی ضرورتیں بے شمار ہیں، خاص طور پر ایسے انسانوں کی ضرورتیں دو چند ہو جاتی ہیں جو، وطن سے دور ہوں اور پھر جن کی آبائی زمین و جائیداد کے ساتھ ان کی آزادی اور شہریت بھی چھین لی گئی ہو تو پھر وہ اپنی ضروریات زندگی کے لئے اپنے ہم مذہب بھائیوں کی مدد کے زیادہ، محتاج ہو جاتے ہیں، خداوند کریم اس طرح کی مصیبتوں میں گرفتار ہمارے سبھی بھائیوں کی غیب سے مدد فرمائے اور وہی معین و مددگار حقیقی ہے لیکن ہماری بھی اخلاقی ذمہ داری ہے کہ اس کے بندوں کی ضرورت کا خیال رکھیں، بس اِسی احساس کے ساتھ ہم آپ کے درمیان ایک تعلیمی پیکج لے کر حاضر ہیں۔ رضا اکیڈمی ممبئی کے جنرل سکریٹری الحاج محمد سعید نوری نے کنچن کنج شاہین باغ دہلی میں 2012 سے پناہ گزیں روہنگیا مسلمانوں سے ملاقات میں مذکورہ خیالات کا اظہار کیا۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے احباب کے ذریعے معلوم ہوا کہ قیام کی خاطر پناہ گزیں ہونے کے لئے زمین کی فراہمی کے ساتھ اب تک بہت سی مسلم تنظیموں اور تحریکوں نے آپ کی ہر طرح سے مدد کی ہے اور آج بھی کر رہے ہیں، اس لئے ہم نے طے کیا کہ تعلیمی ضرورت کو پوری کرنے کی کوشش کریں، اس لئے ہم نے بچے بچیوں کی ابتدائی تعلیم و تربیت کے لئے قرآن پاک، ضروری کتابیں، کاپیاں، قلم، ربر، کٹر، پنسل، وائٹ بورڈ، اور ضرورت کی دوائیاں وغیرہ ابھی دینے کی کوشش کی ہے اور اگلے ہفتے مچھر دانی اور آپ کی نشاندہی کے مطابق دوسرے سامان کے ساتھ پھر ملیں گے اور ساتھ ہی دہلی کے تین دیگر مقامات پر پناہ گزیں اپنے دوسرے روہنگیا مسلمان بھائیوں کے لئے بھی اسی طرح کے اسباب فراہم کریں گے۔ نوری صاحب نے یہ اسباب انہیں ان کی عبادت گاہ اور درس گاہ ''مسجد اراکان'' میں سلیم اللہ اور مسجد کے امام و معلم وغیرہ کی موجودگی میں دیے۔ ان کے ہمراہ انجینئر محمد عظیم نقشبندی اور مولانا محمد ظفر الدین برکاتی وغیرہ موجود تھے۔''

(قومی اخبارات 21 ستمبر 2017ء)

لیکن ایک عجیب صورت حال بھی دیکھنے میں آئی ہے کہ سپریم کورٹ میں روہنگی مسلمانوں محمد سلیم اللہ اور محمد شاکر کی طرف سے داخل پٹیشن پر غور کرتے ہوئے جب ججوں نے مرکزی حکومت، اقوام متحدہ کے نمائندے اور میانمار کے سفیر سے جواب طلب کیا تو حکومت نے حلف نامہ داخل کر کے اپنا موقف یہ پیش کیا کہ ہندوستان میں پناہ گزیں روہنگی مسلمان غیر قانونی طور پر مقیم ہیں، وہ دستاویزی ثبوت نہ رکھنے کی وجہ سے تارکین وطن کی فہرست میں نہیں آتے، اس لیے ان کو واپس کیا جائے گا۔ جب کہ میانمار کے سفیر نے برما کی حکومت اور فوج کے سربراہ جنرل من آنگ سینگ کے حوالے سے کہا کہ روہنگیا مسلمانوں کا میانمار سے کبھی کوئی تعلق نہیں رہا۔ وہ اس ملک کے کسی بھی نسلی گروپ سے تعلق نہیں رکھتے۔ وہ میانمار میں شہریت کے حق دار نہیں کیوں کہ وہ نسلی طور پر بنگالی ہیں۔ اسی طرح اقوام متحدہ کی ایک رپورٹ کے جواب میں میانمار کی برسر اقتدار سیاسی جماعت قومی محاذ برائے جمہوریت نے یہ برمی موقف پیش کیا کہ روہنگی مسلمان میانمار کی قومی سلامتی کے لیے خطرہ ہیں اور میانمار کی اسٹیٹ کونسلر محترمہ آنگ سان سوکی، کا بھی یہی ماننا ہے، اس لیے یہ غلط ہے کہ فوج، حکومت کی منشا کے خلاف کام کر رہی ہے بلکہ برمی فوج، حکومت کی منشا کے مطابق اپنی فوجی خدمات انجام دے رہی ہے۔

اس کے بعد ہندوستان میں بھی روہنگیا مسلمانوں پر سیاست اور سیاست دانوں کی بیان بازی شروع ہوگئی۔ وزیر داخلہ راجناتھ سنگھ

نے بھی برمی جنرل کی طرح بات دہرائی کہ ہندوستان میں پناہ لے رہے روہنگی قانونی طور پر تارکین وطن نہیں اور یہاں کی قومی سلامتی کے لیے خطرہ ہیں۔ مرکزی وزیر ہنس راج اہیر نے کہا کہ ان کی حمایت کرنا حب الوطنی کے خلاف ہے اور کوئی بھی محب وطن ہندوستانی یہ بات نہیں کہہ سکتا کہ ان کو پناہ دی جائے۔

لیکن سوال یہ ہے کہ تارکین وطن اور پناہ گزیں کی الگ الگ تعریف کیوں پیش کی جارہی ہے جب کہ ۱۰۷ فوجی کیمپوں میں ایک لاکھ دو ہزار سری لنکن پناہ گزینوں مودی سرکار نے ۲۰۱۴ء سے اب تک ۱۵۰ کروڑ روپے دِیے ہیں اور ۴۵ کیمپوں میں مقیم ایک لاکھ تبتی رفیوجیوں کو ۱۸ کروڑ روپے دے چکی ہے۔ پاکسان کے زیر قبضہ کشمیر سے ۱۹۴۷ء ۱۹۷۱ء میں نقل مکانی اور نقل وطن کرنے والے ۳۶ ہزار خاندانوں کے لیے مودی حکومت نے ۲ ہزار کروڑ روپے مختص کیے ہیں، کانگریس دورِ حکومت میں بھی ۲۰۰۸، ۲۰۰۹ء میں پاک مقبوضہ کشمیر سے آنے والے رفیوجیوں کے لیے ۴۹ کروڑ کا مالی تعاون فراہم کیا گیا تھا۔ مرکزی ہیومن رائٹس کمیشن کے چیئر مین جسٹس ایچ ایل دتو نے وزیر داخلہ کو ایک اجلاس میں یہ تفصیل سنائی اور کہا کہ کمیشن انسانیت کی بنیادوں پر دیکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے سوالوں کا حکومت ہند، اب تک جواب نہیں دے سکی ہے۔

دوسری طرف یوپی کے وزیر اعلیٰ آدتیاناتھ یوگی نے نیپال کی سرحد پر روہنگی مسلمانوں کو داخل ہونے سے روکنے کے لیے فوج کے نگراں دستے تعینات کرنے کا حکم جاری کرتے ہوئے کہا ہے کہ روہنگی مسلمان شرنارتھی نہیں، گھس پیٹھیے ہیں۔ انھوں نے وہاں بھی برمی حکومت کے ساتھ غداری اور بغاوت کی کوشش کی ہے اور صوبہ راخین کے ہندوؤں وبدھشٹوں کو مارا ہے، اس لیے ان سے ہمدردی کا سوال نہیں۔

ہندوستان کے ہر عالم دین اور سیاست داں سے الگ مولانا وحیدالدین خاں کا بیان آیا ہے کہ میانمار کی حکومت روہنگیا مسلمانوں کے خلاف سرکاری آپریشن اور ملک بدر کرنے میں حق بجانب ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ ۱۹۴۷ء میں برما کی آزادی کے بعد روہنگیا مسلمانوں نے راکھین کی آزادی کا مطالبہ شروع کردیا جس کی وجہ سے وہ ایک علاحدگی پسند قوم ہوگئے اور اُن میں کئی دہشت گرد گروپ ہوگئے جن کو کچلنے کے لیے برمی حکومت یہ کارروائیاں کررہی ہے۔ اگر وہ برمی حکومت کے خلاف دہشت گردی ترک کردیں اور آزاد ریاست کا مطالبہ بند کردیں تو برمی حکومت ان کے ساتھ یہ سلوک ہرگز نہیں کرے گی اور قبول بھی کرے گی۔ اس کی کارروائی حق بجانب ہے۔ اِس بیان کی شدید مذمت ہورہی ہے۔

البتہ میانمار کی خاتون لیڈر آنگ سان سوکی، نے ۱۹ ستمبر کو سلامتی کونسل میں اعتراف کیا کہ بدھ مت کے تشدد کے نتیجے میں راخین ریاست کی ۵۰ فیصد مسلم بستیاں نذرِ آتش ہوگئی ہیں۔ یہ خبر مل رہی ہے جب کہ میانمار حکومت کی طرف سے وکالت کرتے ہوئے کہا کہ اس نے بنگلہ دیش سے روہنگیا مسلمانوں کی مشروط واپسی کے لیے وعدہ کیا ہے۔ انھیں راکھین ریاست میں ہی جگہ ملے گی اور سب کو پہلے ''دار گی جار'' نامی بستی میں جمع کیا جائے گا پھر فہرست سازی کے بعد اُن کے علاقوں اور بستیوں میں پہنچا دیا جائے گا۔ مشروط واپسی کا مطلب یہ ہے کہ صرف ان افراد کو میانمار میں واپس کیا جائے گا جن کی شناخت کی تصدیق ہوجائے اور شناخت کی تصدیق ۱۹۹۳ء میں طے شدہ طریقہ کے مطابق ہوگی۔ البتہ بنگلہ دیشی وزیر خارجہ محمود علی کے مطابق یہ وضاحت سامنے آئی ہے کہ میانمار حکومت ابھی صرف بنگلہ دیش میں پناہ لینے والے روہنگی مسلمانوں کو ہی واپس لے گی۔

اپنی زمین، اپنا وطن اور شہریت سے بے دخل ہو چکے بے یار ومددگار قوم کو پناہ دینے اور اُن کے دکھ درد میں شریک ہونے کی بجائے ان کے زخموں پر نمک چھڑکنے والے اِن بیان بازوں کے خلاف بھی ہندوستان میں آوازیں بلند ہورہی ہیں۔ آریہ سماج کے مذہبی قائد سوامی اگنی ویش نے میڈیا میں آکر واضح لفظوں میں کہا کہ میانمار میں ہندوؤں کا برمی فوجوں نے قتل کیا، ہندوستانی میڈیا، اس کی تردید کررہا ہے کہ اس کی اب تک تصدیق نہیں تو کیا مسلمانوں کا قتل عام ڈھکی چھپی بات ہے؟ روہنگی مسلمانوں پر برمی فوج کا ظلم وتشدد بھی غلط خبر ہے؟ برما کے ہندو، انسان ہیں لیکن روہنگیا کے برمی مسلمان، انسان نہیں؟ سوامی اگنی ویش نے حکومت کے وزیروں سے پوچھا کہ انسانیت کی بنیاد پر تبت میں بدھوں کو پناہ مل گئی، تمل ناڈو میں سری لنکائی تارکین وطن کو پناہ مل گئی، افغانی اقلیتوں کو بھی پناہ دی گئی اور پاکستان کے چار سو ہندو خاندانوں کو شہریت بھی مل گئی لیکن کسی سے ہندوستان کی قومی سلامتی کو خطرہ نہیں پیش آیا مگر میانمار

کے تارکین وطن کا مظلوم مسلمان، آتنک وادی نظر آنے لگا؟

اس کے بعد سوامی آگنی ویش نے سبھی ہندوستانی باشندوں سے گزارش کی کہ ۲، اکتوبر کو ایک دن کا روزہ رکھ کر روہنگی تارکین وطن کے دکھ درد کو محسوس کرنے کی کوشش کریں پھر قانونی اور سیاسی طور پر مدد کا طریقہ اختیار کریں اور یاد رکھیں کہ انسانیت کو بھی ہندو مسلم بنانے والے لوگوں سے بھلائی کی زیادہ امید رکھنا فضول ہے۔ اِس فرقہ پرستی کے خلاف بھی یک جٹ ہونے کی ضرورت ہے۔

۲۸، ستمبر کو آریہ سماجی سوامی آگنی ویش نے دوبارہ اپیل کرتے ہوئے کہا کہ ملک کی قدیم روایت کے مطابق مظلوموں کا ساتھ دینے کے لیے ایک دن بھوکے رہ کر اُن کے دکھ درد کا خود احساس کریں۔ ہماری حکومت روہنگی پناہ گزینوں کو واپس بھیجنا چاہتی ہے۔ اگر اُن میں سے ایک بھی وہاں مارا گیا تو ہندوستان پوری دنیا میں منہ دِکھانے کے قابل نہ رہے گا۔ وزیر داخلہ راجناتھ سنگھ کا یہ الزام انتہائی شرم ناک ہے کہ ''روہنگیائی مسلمان ملک کے لیے خطرہ ہیں'' یہ نہایت غیر ذمہ دارانہ بیان ہے۔ انھوں نے پوچھا کہ ۲۰۱۲ء سے مختلف صوبوں اور شہروں میں وہ پناہ گزیں ہیں، وزیر محترم کسی بھی ایک واقعہ کی نشاندہی کر سکتے ہیں جس سے اندازہ ہو کہ وہ ملک کے لیے خطرہ ہیں؟

کانگریس نے بھی ایک سوال اٹھایا ہے کہ ''جب ہندوستان میں ایسا کوئی قانون ہی نہیں جو، یہ طے کرے کہ کون پناہ گزیں ہے اور کون پناہ گزیں نہیں تو آپ کس بنیاد پر کہہ سکتے ہیں کہ روہنگیا مسلمانوں کو پناہ گزیں کی حیثیت سے بھارت میں جگہ نہیں دی جا سکتی؟

بی جے پی کے نوجوان لیڈر، ورون گاندھی نے بھی اکنامک ٹائمز میں لکھے ایک مضمون میں روہنگیا پناہ گزیں مسلمانوں کو ہندوستان میں رہنے دِیے جانے کی وکالت کی ہے اور بھارت سرکار سے کہا ہے کہ بھارت کی تہذیبی روایت ہم سے یہی مطالبہ کر رہی ہے کہ مہمان نوازی اور پناہ دینے کی روایت کو باقی رکھا جائے۔ ورون گاندھی نے ایک بین الاقوامی پناہ گزیں پالیسی بنانے کی وکالت بھی کی ہے جس سے معلوم کیا جا سکے کہ غربت سے بھاگنے والے اور ظلم وتشدد کی وجہ سے اپنی زمین چھوڑ کر ہندوستان میں پناہ لینے والے کون ہیں۔

دوسری طرف ہندوستان کے کامیاب مسلم سیاست داں بیرسٹر اسدالدین اویسی نے مختلف طریقوں سے حکومت اور میڈیا سے روبرو کہا کہ حکومت ایک انسان نہیں بلکہ ۳۰ لاکھ انسانوں کے دکھ درد کو محسوس کرے۔ ایک برمی مظلوم نے آپ سے یہ درخواست کی ہے کہ ''ہمیں واپس میانمار بھیجنے سے اچھا ہے کہ یہیں ختم کر دیا جائے۔''

اس سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ جو لوگ برمی حکومت، فوج اور مقامی بدھسٹوں کے ظلم وتشدد سے خوف زدہ ہیں کہ واپس ہونے پر موت کو ترجیح دے رہے ہوں، ان کو آتنک وادی گروپوں سے تعلق رکھنے کی بات کتنی خطرناک ہے بلکہ یہ بجائے خود انتہا پسندی ہے، رہی بات اراکان مسلم سالویشن آرمی کی تو یہ برما کا داخلی مسئلہ ہے، اِن کے تو جان کے لالے پڑے ہیں، انھیں کہاں اِس طرح کی حرکتوں سے کوئی واسطہ؟ اور پھر ہندوستان کی قوم، حکومت اور فوج سے ان کی دشمنی کا سوال کہاں پیدا ہوتا ہے کہ قومی سلامتی کے لیے خطرہ کا الزام عائد کیا جائے؟ دوسری بات یہ رکھی ہے کہ بھارت کی تہذیبی روایت تو، یہ رہی ہے کہ سلمان رشدی، تسلیمہ نسرین اور طارق فتح جیسے بھگوڑے اور ملک بدر کیے جا چکے لوگوں کو بھی پناہ ملی ہے اور سرکاری اعزاز کے ساتھ وی آئی پی سہولت فراہم کی جاتی ہے بلکہ میڈیا گواہ ہے کہ یہاں بنگلہ دیش کی بدنام زمانہ تسلیمہ نسرین کو فرقہ پرستوں نے اپنی بہن پکارا ہے تو پھر میانمار کے بنگالی مسلمان بھائی نہیں ہو سکتے؟

تیسری بات یہ رکھی ہے کہ میانمار کی فوج اور بدھوں نے ۸۶ ہندوؤں کو بھی مارا ہے اور، دو سو ہندو گھرانوں کو سالویشن اراکان آرمی سے مقابلہ کے لیے بے گھر کر دیا ہے۔ بھارت سرکار میانمار کے مارے گئے اُن ہندوؤں کے حوالے سے احتجاج درج کرائے اور بے گھر ہندوؤں کو اپنے یہاں پناہ دے، یہ تو کر سکتی ہے؟

اسی طرح بہت سی شخصیات کی طرف سے حکومت کو شکایت ملی ہے کہ اگرچہ ہندوستان نے پناہ گزینوں کے لیے اقوام متحدہ کے بین الاقوامی معاہدہ پر دستخط نہیں کیے ہیں، اس لیے وہ آزاد ہے لیکن اس کی اپنی روایت اور مہمان نوازی یہ تقاضہ کرتی ہے کہ وہ میانمار کے لوگوں کو تارکین وطن بھی تسلیم کرے، سرکاری تحفظ بھی دے اور پناہ لیے رہنے کی اجازت اُس وقت تک دے جب تک وہاں کے حالات خوش گوار نہیں ہو جاتے۔ ساتھ ہی حکومت کے اِس اقدام کی تعریف کی ہے کہ اس نے بنگلہ دیش کو ۵۳ ٹن ضروری سامان وہاں پناہ گزیں میانمار کے تارکین وطن میں راحت رسانی کے لیے بھیجا ہے۔

لیکن سپریم کورٹ میں شنوائی کو ۱۳، اکتوبر تک ملتوی کیے جانے کے بعد سب کو خوف ستائے جارہا ہے کہ ملک کے جو حالات ہیں اور فرقہ پرستوں نے انسانیت کی جو نئی تعریف گڑھی ہے، اس کے تناظر میں اب صرف سپریم کورٹ سے ہی خیر کی امید ہے، ورنہ حکومت پوری طرح فرقہ پرستی کی نظر سے میانمار کے تارکین وطن کو دیکھ رہی ہے اور سرحدی علاقوں میں بطورِ خاص بنگلہ دیش کی سرحد پر بی ایس ایف کے جوانوں کو بنگالی سیکھنے کا حکم نامہ جاری کیا ہے، کیوں کہ اسے اندیشہ ہے کہ ان میں سے کسی کے تعلقات پاکستان کی آئی ایس آئی اور کسی بھی دوسرے آتنک وادی گروپ سے ہوسکتا ہے، اس لیے بنگلہ زبان سے واقف فوجیوں کو سرحدوں پر تعینات کیا جارہا ہے جب کہ بھارت سرکار ہی یہ تسلیم کرتی ہے کہ بے گھر، بھوکے اور شیر خوار بچے، دہشت گرد نہیں ہوتے لیکن فرقہ پرستی اس قدر حاوی ہوچکی ہے کہ حکومت کو اُن بے گھر بھوکے پیاسوں سے قومی سلامتی کو خطرہ نظر آنے لگا ہے۔

ڈاکٹر ایوب نے بھی اپنے چشم کشا تبصرے میں کہا ہے کہ روہنگیا مسلمانوں نے ایک دور میں وہاں حکمرانی کی ہے، حکومتوں کے نمائندے رہے اور بڑے مناصب پر فائز رہے لیکن جب اقتدار سے بے دخل ہوئے، اگرچہ کیے گئے تو پھر اُن کی شہریت بھی خطرے میں پڑگئی۔ یہی کام اسپین، روس اور چین میں ہوچکا ہے اور یہی کام آج ہندوستان میں ہورہا ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی شہریت ختم کی جائے جس کی شروعات یہاں سے کی جاسکتی ہے کہ ان کے ووٹ دینے کا حق ختم کردیا جائے جیسا کہ روہنگیا مسلمانوں کے ساتھ ہوا۔ دراصل جو بھی مسلم سماج متحد ہوکر اقتدار میں رہنے کی کوشش نہیں کرے گا، سیاسی گلیارے کا گداگر بنا رہے گا، وہ اسی طرح ذلیل وخوار ہوگا۔ اس کے ساتھ یک طرفہ اور دانستہ ناانصافیاں ہوں گی۔ اس لیے ہم سمجھتے ہیں کہ روہنگیا مسلمانوں کی موجودہ صورت حال ہندوستانی مسلمانوں کے لیے قومی درس عبرت اور سیاسی نصیحت ہے۔

لیکن اس سے بڑی بات یوم عاشورہ کی محفلوں اور مجالس میں علمائے کرام نے اِس سال یہ زوردار انداز میں کہا ہے کہ شہید اعظم حضرت امام حسین نے ہمیں تعلیم دی ہے اور کربلا میں ان کی شہادت کا سبق بھی یہی ہے کہ ظلم کے خلاف جتنی تاخیر سے اٹھوگے، اتنی ہی زیادہ قربانی دینا پڑے گی۔ اس لیے ہمیں برما کے مسلمانوں کے ساتھ ہورہے سرکاری اور فوجی تشدد کے خلاف ابھی زوردار طریقے سے ہر طرح کی کوشش کرنا چاہیے اور ہندوستان میں بھی ان کے لیے ہمیں آواز اٹھانا ہے کہ انھیں حکومت، پناہ گزیں تسلیم کرے اور اُن کے ساتھ غریب الوطن مہمانوں کے جیسا سلوک کرے۔ حضرت امام حسین کی روح کو ہمارا یہ اقدام بہترین خراج عقیدت ہوگا۔

اگر ہم نے مخلوق خدا کی ہمدردی اور انسانیت کی خدمت کی نیت سے کیا تو ''خیر خواہی بھی کارِ خیر ہے'' کے تحت ہمارے بھی مسائل حل ہوں گے۔

ایک بات یاد آئی، ہم نے کہیں پڑھا ہے کہ مسلم سماج کے لیے کہا گیا ہے کہ جب وہ بے عمل ہوجاتے ہیں اور قرآن وسنت عمل کے طاق سے عمارت کی طاق پر رکھ دیتے ہیں اور صراط مستقیم سے بھٹک جاتے ہیں تو پھر اُن پر ایسی حکومت یا کوئی ایسا شخص مسلط ہوتا ہے کہ وہ قرآن وسنت پر عمل اور اپنے اسلامی معمولات پر کاربند بھی رہنا چاہیں تو نہیں رہ سکتے۔ اُن پر ظلم وتشدد کے ساتھ ان کی عبادت پر پابندی لگادی جاتی ہے۔ اس میں خاص طور سے دلیل کے طور پر ترکی کی صورت حال لکھی ہے کہ عرب اور غیر عرب کی قومیت کے نام پر عربی میں تلاوت پر بھی پابندی عائد کردی گئی اور اسلامی لباس بھی ممنوع قرار دِیے گئے جب ہم نے یہ پڑھا کہ چین کی حکومت نے بھی صوبہ سنکیانگ کے مسلمانوں پر لازم کیا ہے کہ وہ قرآن کریم، جائے نماز، مصلیٰ اور مذہبی اسباب جمع کردیں، ورنہ سخت کارروائی کی جاسکتی ہے۔ اس ریاست میں اویغور، کزاک اور کرگز نسل کے چینی مسلمان رہتے ہیں۔ یہ علاقہ قزاکستان کی سرحد سے لگا ہوا ہے۔ سرحد سے متصل علاقہ ہوتان اور کاشغر کے علاقے میں بھی یہی فرمان جاری کیا گیا ہے اور ضبط کرنے کی کارروائی شروع ہے۔ چینی حکام کا الزام ہے کہ قرآن میں شدت پسندی اور جہاد کی تعلیم دی گئی ہے اور چین کی ''تھری الیگل اینڈ وَن آئٹم'' مہم کے تحت انکشاف میں ثابت ہوگیا ہے کہ مسلمانوں کی مقدس کتاب قرآن غیر قانونی ہے، اس لیے دوسرے مذہبی اسباب بھی ضبط کیے جارہے ہیں جیسے نماز پڑھنے کی چٹائی، خطبے کی کتاب اور مسجد میں پڑھی جانے والی کتابیں۔

☆☆☆

z.barkati@gmail.com

انوارِ قرآن

صلح کرانا کارِ ثواب اور سنت رسول ہے

حافظ محمد ہاشم قادری مصباحی★

آج کل ذرہ ذرہ سی بات پر لڑائی جھگڑا عام ہو گیا ہے، نفسانفسی کا عالم ہے۔ اب تو حال یہ ہے کہ معمولی معمولی سی بات پر قتل کر دینا عام ہو گیا ہے۔ چھوٹی سی بات پر باپ بیٹے کو اور بیٹا باپ کو، بھائی بھائی کو اور بھائی بہن کو، شوہر بیوی کو اور قریبی رشتے دار، دوست کو مار ڈالنے کو تیار ہو جاتا ہے۔ انسان کی جان مچھر اور مکھی سے بھی کمتر ہو گئی ہے۔ آئے دن قتل کے واقعات بڑھ رہے ہیں۔ بوریوں اور سوٹ کیسوں میں بھری لاشیں مل رہی ہیں۔ روزانہ درجنوں جھگڑے اور قتل کے واقعات معمول کی بات ہو گئی ہیں۔ کسی کو احساس زیاں (خسارہ) تک نہیں ہو رہا ہے، قاتل ناحق کے دل میں انسانیت کے درد کی رمق تک باقی نہیں رہی۔ اس کا دل محبت، ہمدردی، انکساری اور انسان دوستی سے خالی ہو چکا ہے۔ انسان انسان کے خون کا پیاسا بن چکا ہے۔ آج کا انسان شاید اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ان احکام سے غافل ہے جو بے وجہ لڑائی جھگڑا اور قتل ناحق کی وعید میں نازل ہوئے ہیں۔ اللہ رب العزت نے قتل ناحق کی مذمت کرتے ہوئے قرآن مجید میں سخت وعید نازل فرمائی ہے (القرآن، سورہ نساء ۴، آیت ۹۳) کہ جو شخص کسی مسلمان کو قصداً قتل کرے تو اس کی سزا دوزخ ہے کہ مدتوں اس میں رہے گا اور اس پر اللہ کا غضب ہو گا اور اللہ اس پر لعنت کرے گا اور اس نے اس کے لیے زبردست عذاب تیار کر رکھا ہے۔

تشدد کا بڑھتا رجحان اور صلح سے دوری:

ہمارے معاشرے میں ہی کیا پورے ملک، پوری دنیا میں تشدد کا بڑھتا رجحان انتہائی تشویش کا باعث ہے۔ اللہ رب العزت نے اپنے بندوں کو صلح کرانے کا حکم دیا اور صلح کرنے کرانے والوں کو پسند فرمانے کی خوش خبری بھی سنائی (القرآن، سورہ الحجرات ۴۹، آیت ۹) کہ اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں جنگ کریں تو ان کے درمیان صلح کرا دیا کرو، پھر اگر ان میں سے ایک (گروہ) دوسرے پر زیادتی اور سرکشی کرے تو اس (گروہ) سے لڑو جو زیادتی کا مرتکب ہو رہا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے، پھر اگر وہ رجوع کر لے تو دونوں کے درمیان عدل کے ساتھ صلح کرا دو اور انصاف سے کام لو، بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔ صلح کرانا اللہ کو پسند ہے۔

حدیثوں میں بھی اس کی فضیلت آئی ہے مذکورہ آیت کا شان نزول حدیث پاک میں اس طرح سے ہے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ سے عرض کیا گیا، اگر آپ ابن ابی (منافق) کے یہاں چلتے تو بہتر تھا۔ آپ ﷺ اس کے یہاں ایک سواری پر سوار ہو کر تشریف لے گئے۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین پیدل آپ کے ہمراہ تھے۔ جدھر سے آپ ﷺ گزر رہے تھے وہ شور (ریگستان) زمین تھی۔ جب نبی کریم ﷺ اس کے یہاں پہنچے تو وہ کہنے لگا، ذرہ آپ دور ہی رہئے آپ کے گدھے کی بو نے میرا دماغ پریشان کر دیا ہے۔ اس پر ایک صحابی بولے کہ اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ کی سواری تجھ سے زیادہ خوشبودار ہے۔ عبداللہ (منافق) کی طرف سے اس کی قوم کا ایک شخص اس صحابی کی اس بات پر غصہ ہو گیا، دونوں نے ایک دوسرے کو برا بھلا کہا پھر دونوں کے حمایتی مشتعل ہو گئے اور ہاتھا پائی، چھڑی اور جوتے تک نوبت پہنچ گئی۔ ہمیں معلوم ہے کہ یہ آیت وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا فَاِنْ بَغَتْ اِحْدٰاهُمَا۔ الخ کہ ''اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑیں تو ان میں صلح کرا دو'' (صحیح بخاری، باب لوگوں میں صلح کرانے کا ثواب، حدیث ۲۶۹۱) اسی واقعہ کے تناظر میں نازل ہوئی ہے۔

صلح کرانے کے لیے جھوٹ بولنا گناہ نہیں:

صلح کرانے میں جھوٹ بھی بول سکتے ہیں۔ ام کلثوم بنت عقبہ سے روایت ہے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ جھوٹا وہ نہیں جو لوگوں میں باہم صلح کرانے کی کوشش کرے اور اس کے لیے کسی اچھی بات کی چغلی کھائے یا اسی سلسلے کی اور کوئی اچھی بات کہہ دے۔ (بخاری، حدیث ۲۶۹۲) سہل بن اسعد رضی اللہ عنہٗ نے بیان کیا کہ قبا کے لوگوں نے آپس میں جھگڑا کیا، نوبت یہاں تک پہنچی کہ ایک دوسرے پر پتھر پھینکے، آپ ﷺ کو جب اس کی اطلاع دی گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا ''چلو ہم ان میں صلح کرائیں گے'' (صحیح بخاری، باب: حاکم لوگوں سے کہے کہ ہم

کو لے چلو ہم صلح کرادیں۔حدیث ۲۶)

صلح حدیبیہ: ماہ ذیقعدہ ۶ ھ میں حضور ﷺ عمرہ ادا کرنے کے ارادے سے مدینہ سے مکہ تشریف لے جانے کے لئے سفر میں نکلے۔مشرکین مکہ نے مسجد الحرام کی زیارت سے روک دیا۔آپ ﷺ نے مشرکین مکہ اور قریش سے حدیبیہ کے مقام پر صلح فرمایا۔اس کی دستاویز (AGREEMENT) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لکھی تھی۔لکھتے وقت آپ نے ''بسم اللہ الرحمن الرحیم'' لکھا۔مشرکین مکہ وقریش کے نمائندہ نے اسے قبول نہیں کیا کہ زمانہ جاہلیت کے طریقہ پر باسمك اللھم لکھنا پڑے گا۔آپ ﷺ نے اسے قبول کرلیا۔آپ کا اسم گرامی ''محمد رسول اللہ'' لکھا گیا تو مشرکین مکہ نے اس پر اعتراض کیا کہ لفظ محمد کے ساتھ رسول اللہ نہ لکھو،کیوں کہ آپ کو ہم رسول مانتے تو ہم آپ سے لڑتے ہی کیوں؟ قریش ضد پر اڑ گئے۔آپ ﷺ اس پر بھی راضی ہو گئے۔آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا ''رسول اللہ کا لفظ مٹادو''،حضرت علی نے عرض کیا کہ ''میں تو اسے نہیں مٹا سکتا''،تو آپ ﷺ نے خود اپنے ہاتھ سے مٹادیا اور مشرکین کے ساتھ اس شرط پر صلح کی کہ آپ اپنے اصحاب کے ساتھ (آئندہ سال) تین دن کے لئے مکہ آئیں اور ہتھیار میان میں رکھ کر داخل ہوں گے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے برداشت نہ ہوسکا،انھوں نے جوش جذبات میں کچھ ایسے الفاظ فرمائے کہ ہمیشہ (اس پر) شرمندہ رہتے۔تمام صحابہ انتہائی جذبات میں احرام کھول کر ایک دوسرے کے سرمونڈ ھنے لگے اور ایسا کر رہے تھے کہ جیسے ایک دوسرے کی گردن کاٹ دیں گے لیکن اللہ رب العزت نے اس صلح کو جو بظاہر ذلت آمیز تھی ''فتح مبین'' قرار دیا:

اِنَّا فَتَحۡنَا لَكَ فَتۡحًا مُّبِيۡنًا ۔الخ کہ بے شک (اے نبی) ہم نے آپ کو کھلم کھلا فتح دی۔(صحیح بخاری ومسلم۔راوی محمد بن بشار،شعبہ،ابواسحاق،براابن عاذب رضوان اللہ تعالیٰ علیھم اجمعین۔وغیرہ

حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں تم فتح مکہ کو فتح شمار کرتے ہو اور ہم بیعت الرضوان کے واقعہ کو فتح مانتے ہیں۔ہم چودہ سو آدمی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اس موقع پر تھے۔صلح حدیبیہ کے موقعہ پر ایک درخت کے نیچے صحابہ کرام نے آقا ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی اسی مقام پر صلح حدیبیہ ہوئی۔(بخاری) حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ صلح حدیبیہ کے واپسی سفر میں آپ ﷺ نے فرمایا گذشتہ شب میں مجھ پر ایک سورت اتری جو مجھے دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہے پھر آپ نے اِنَّا فَتَحۡنَا کی تلاوت کی۔(بخاری،ترمذی،نسائی،مسند احمد) صلح حدیبیہ سے بہت برکت حاصل ہوئی،لوگوں میں امن و امان قائم ہوا،مسلمان کافروں میں بول چال شروع ہوگئی۔علم وایمان کی روشنی تیزی سے پھیلنی شروع ہوگئی،آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ درگذر کرنے سے عزت بڑھتی ہے اور عاجزی وانکساری کرنے سے بلندی اور عالی رتبہ حاصل ہوتا ہے۔(حدیث)

صلح کی اھمیت وفوائد: خانگی زندگی ہو یا معاشرتی کبھی ایسے حالات آجاتے ہیں کہ لوگوں میں جھگڑے کی نوبت آجاتی ہے۔خدانخواستہ گھریلو زندگی میں اگر ایسی نوبت آجائے تو اللہ رب العزت فرمارہا ہے کہ ثالث مقرر کرکے صلح کرلو! قرآن مجید میں ہے:

وَاِنۡ خِفۡتُمۡ شِقَاقَ بَيۡنِهِمَا فَابۡعَثُوۡا حَكَمًا مِّنۡ اَهۡلِهٖ وَحَكَمًا مِّنۡ اَهۡلِهَا ۔الخ (القرآن سورہ نساء ۴،آیت ۳۵)

ترجمہ: اگر تمھیں میاں بیوی کے درمیان مخالفت (ان بن) کا اندیشہ ہو تو تم ایک منصف مرد کے خاندان سے اور ایک منصف عورت کے خاندان سے مقرر کرلو،اگر وہ دونوں (منصف) صلح کرانے کا ارادہ رکھیں تو اللہ ان دونوں کے درمیان موافقت پیدا فرمادے گا،بیشک اللہ خوب جاننے والا اور خبردار ہے۔میاں بیوی کے درمیان اگر رنجش،بگاڑ ہو تو علمائے کرام فرماتے ہیں اور شارع علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ایماندار اور سمجھدار شخص کو مقرر کرے جو یہ دیکھے کہ ظلم وزیادتی کس طرف سے ہے،ظالم کو ظلم سے روکے اور سمجھائے۔اس سے بات نہ بنے تو مرد والوں وعورت والوں کی طرف سے ایک بہتر دین دار شخص کو منصف مقرر کردیں (شارع علیہ السلام) نے اس بات کی طرف شوق دلایا ہے کہ جہاں تک ہوسکے کوشش کریں کہ کوئی شکل نبھاہ کی نکل آئے۔اگر شوہر کی غلطی ہے تو عورت کو اس سے روک لے اور اس کا خرچ دلائے اور سمجھائے اور اگر عورت کی طرف سے زیادتی ہو تو عورت کو الگ کریں (مرد اس کا خرچ بند کردے) لوگ اس کو سمجھائیں اس کو مجبور کریں کہ اپنی عادت ٹھیک کرے اور شوہر کو بھی سمجھائیں کہ ہنسی خوشی رہے۔

صلح کرنے کرانے کی فضیلت قرآن پاک میں متعدد جگہ آئی ہے۔رسول پاک ﷺ کی سنت بھی ہے۔خود آپ ﷺ کی زندگی میں ایک بار حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا کے درمیان کوئی بات ہوگئی تو آپ نے پوچھا: کیا تم عمر کو حکم بناؤ گی؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا نہیں،کیوں کہ وہ سخت مزاج ہیں،پھر آپ ﷺ نے پوچھا: کیا تم

اس بات پر راضی ہو کہ تمہارے والد میرے اور تمہارے بیچ فیصلہ کریں؟ حضرت عائشہ نے کہا: ہاں۔ آپ ﷺ نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کو بلا بھیجا۔ جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے تو آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ تم بات کرو گی یا میں بات کروں؟ اُم المومنین نے عرض کیا: آپ ہی بات کریں لیکن صحیح صحیح بولیں۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ سن کر سخت غصہ ہو گئے، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ایک طمانچہ مار دیا، حضرت عائشہ بھاگیں اور آپ ﷺ کی پیٹھ کے پیچھے چھپنے لگیں، حضور ﷺ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ میں نے آپ کو اس لئے نہیں بلایا تھا پھر جب حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لے گئے تو آپ نے حضرت عائشہ کو قریب بلایا، مگر انھوں نے آنے سے انکار کر دیا، آپ مسکرائے اور فرمایا کہ ابھی کچھ دیر پہلے تو تم میری پیٹھ سے چمٹے جا رہی تھیں، پھر جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور دونوں کو ہنستے ہوئے دیکھا، تو فرمایا کہ آپ دونوں نے اپنے اختلاف میں ہمیں شریک کیا تھا، تو اپنی صلح میں بھی ہمیں شریک کر لیں۔ (سنن ابوداؤد: حدیث ۴۹۹۹)

مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں: اللہ رب العزت ارشاد فرما رہا ہے (القرآن، سورہ الحجرات ۴۹، آیت ۱۰) کہ (یاد رکھو) سب اہل ایمان (آپس میں) بھائی ہیں۔ تم اپنے دونوں بھائیوں میں صلح کرا دیا کرو، اور اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔

آج احکام الٰہی کی پابندی سے دوری ہی ہماری لڑائی اور جھگڑے کی وجہ ہے اور ہمارے اندر برداشت کی قوت ختم ہوتے جا رہی ہے جس کی وجہ سے بے چینی، بدامنی، تشدد، ذرہ سی بات پر قتل تک کر بیٹھتے ہیں اور پوری زندگی برباد کر لیتے ہیں۔ نہ خود چین سے رہتے ہیں، نہ دوسرے کو چین سے رہنے دیتے ہیں۔ قتل ناحق کے بارے میں قرآن مجید میں بہت سی وعیدیں آئی ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ۔ الخ (سورہ بنی اسرائیل ۱۷، آیت ۳۳) اس لئے، سماج کے ذمے دار لوگوں کو حالات پر غور کرنے کی ضرورت ہے اور جو بن پڑے اپنی طاقت بھر کوشش کرنا چاہئے۔ جہاں لڑائی جھگڑا نظر آئے وہاں میل ملاپ صلح کرائیں اور اللہ کی بارگاہ میں پسندیدہ بندہ ہونے کا شرف حاصل کریں۔ اللہ سے دعا ہے کہ ہم سب کو صلح کرنے کرانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین　○○

☆ خطیب وامام مسجد ہاجرہ رضویہ، اسلام نگر، کپالی، پارڈیہہ، مانگو جمشید پور (جھارکھنڈ) 09386379632

خانقاہ عالیہ سمرقندیہ دربھنگہ کے صاحب سجادہ کا وصال

12 ستمبر 2017ء، تقریباً رات 11 بجے خانقاہ عالیہ سمرقندیہ نقشبندیہ کے صاحب سجادہ شیخ طریقت حضرت علامہ سید شاہ نور علی نقشبندی صاحب قبلہ نور اللہ مرقدہ کا وصال پر ملال ہو گیا۔ آپ قطب الاقطاب حضرت سید علامہ فدا محمد عبدالکریم علیہ الرحمہ کی دربھنگہ (بہار) میں قائم کردہ خانقاہ عالیہ سمرقندیہ کے سجادہ نشین تھے اور انہیں کی نسل سے تھے۔ حضرت قطب الاقطاب کے آباء واجداد میں حضرت سید محمد عمر چھ واسطوں سے حضرت سید کمال الدین رحمۃ اللہ علیہ بادشاہِ اصفہان (ایران) سے نسباً متعلق تھے پھر آپ کے اجداد ہی میں سے حضرت شیخ سید محمد روحانی اپنے اہل وعیال کے ساتھ ہجرت کر کے افغانستان کے ضلع زُرمُت میں واقع علاقہ ''دیہہ سادات'' میں آ کر قیام پذیر ہو گئے پھر حضرت قطب الاقطاب بہ اشارۂ غیبی افغانستان سے دربھنگہ ہجرت کر گئے اور یہاں سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کی درج بالا عظیم الشان خانقاہ کی بنیاد رکھی اور خلق خدا کی رشد وہدایت کا عظیم فریضہ انجام دیا۔ حضرت علامہ سید نور علی صاحب مکمل حضرت قطب الاقطاب کے نقش قدم پر تھے۔ ان کی پوری زندگی خلق خدا کی اصلاح اور تزکیۂ نفس میں گزری۔ ان کی دعوتی وتبلیغی سرگرمیاں ممبئی، دہلی، بہار، جھارکھنڈ اور بنگال بالخصوص ضلع اتر دیناج پور میں تمام جلوہ سامانیوں کے ساتھ جاری تھیں۔ آپ نے دعوتی سرگرمیوں کے ساتھ متعدد مساجد ومدارس کی بھی بنیاد رکھی۔ بالخصوص بنگال کے ضلع اتر دیناج پور میں آپ ہی کے دم قدم سے تصوف کی بہاریں قائم تھیں۔ آپ کے مریدین کی تعداد لاکھوں میں ہے۔ آپ کے چار صاحبزادے ہیں۔ آپ کے ولی عہد اور اب صاحب سجادہ آپ کے بڑے صاحبزادے پیر طریقت حضرت علامہ سید شاہ شمس اللہ جان مصباحی نقشبندی ہیں۔

رپورٹ: محمد شہباز عالم مصباحی، اتر دیناج پور، بنگال، 7384596109

انوار حدیث

عورت بھی طلاق لے سکتی ہے

سیّد شاہ محمد ریّان ابوالعلائی★

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم نے ارشاد فرمایا ''اگر تم میں سے کسی عورت کو کوئی شخص نکاح کا پیغام بھیجوائے اور اس عورت کی ایسی چیزوں کا دیکھنا ممکن ہو جو نکاح میں رغبت پیدا کرتی ہوں تو دیکھ لے۔'' (سنن ابوداؤد)

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ ''میں نے ایک عورت کو پیغام نکاح بھیجا۔ حضور پاک کو معلوم ہوا تو آپ نے مجھ سے دریافت فرمایا، کیا تم نے اسے دیکھ لیا ہے؟ میں نے عرض کیا نہیں۔ ارشاد فرمایا دیکھ لو، اس سے تمہارے درمیان اتفاق پیدا ہونے کے بہت سے امکانات ہو جائیں گے۔''

(ترمذی، احمد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی)

حضرت قیس بن حارث رضی اللہ عنہ کو حضور پاک نے بلوایا اور فرمایا کہ تم اپنی آٹھ بیویوں میں چار کو طلاق دیدو اور چار کو رہنے دو۔ آپ نے چار کو فارغ کر دیا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت غیلان بن سلمہ ثقفی رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے تو ان کے ساتھ ان کی دس بیویاں بھی مسلمان ہو گئیں جو دورِ جاہلیت میں ان کے نکاح میں تھیں۔ حضور پاک نے فرمایا کہ اِن میں سے چار کو رہنے دو باقی کو چھوڑ دو۔

حضرت نوفل بن معاویہ رضی اللہ عنہ کے عقد میں پانچ بیویاں تھیں جب وہ مسلمان ہوئے تو حضور پاک کے حکم کے مطابق ایک کو فارغ کر دیا۔ خلاصہ یہ کہ چار عورت کو بیک وقت نکاح میں رکھنا جائز اور ائمہ کرام اور جمہور مسلمان کا اجماع ہے۔

حضرت ابراہیم، حضرت یعقوب، حضرت موسیٰ، حضرت داؤد، حضرت سلیمان علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں، ان کی بزرگی کو عیسائی بھی تسلیم کرتے ہیں، یہودی بھی ان کی عظمت و رسالت کے قائل ہیں جن کی طرف سے چار شادیوں پر اعتراض کیا جاتا ہے وہ ان حضرات کو جلیل القدر پیغمبر تسلیم کرتے ہیں خود اُن کے ہاتھ کی لکھی تو راۃ، انجیل اس بات کی آج بھی تصدیق کر رہی ہے کہ ان پیغمبروں سے ہر ایک سے زیادہ بیویاں رہیں جس کی تفصیل یہ ہے:

(۱) حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تین بیویاں: سیدہ ہاجرہ، سیدہ سارہ، قتورہ

(۲) حضرت یعقوب علیہ السلام کی چار بیویاں: لیار، ذلفہ، راخل، بلہہ

(۳) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی چار بیویاں: سفورہ، جشیر، بنت قینی، بنت حباب

(۴) حضرت داؤد علیہ السلام کی نو بیویاں: دس حرموں کا ذکر 'سموئیل' نامی کتاب میں ذکر ہے۔

(۵) حضرت سلیمان علیہ السلام کی ایک سو بیویاں: تین سو حرمیں کا ذکر 'سلاطین' نامی کتاب میں آیا ہے۔

واضح ہو کہ ایک سے زاید شادیوں کا رواج صرف اسلام نے شروع نہیں کیا ہے بلکہ اسلام سے قبل کے مختلف ادوار میں اس کا ثبوت تاریخ فراہم کرتی ہے، ان میں کسی دین کے ماننے والے اور نہ ماننے والے ہر قسم کے لوگ دکھائی دیتے ہیں، قدیم ہندوستان میں شری رام چندر جی کے باپ مہاراجہ دسرت کی تین بیویاں تھیں (پٹ رانی، سمترا رانی، کیکئی رانی)، سری کرشن جی کی ان گنت بیویاں تھیں بقول لالہ لاجپت رائے کہ اٹھارہ رانیاں تھیں۔ (بحوالہ کرشن چرتر) راجہ شنتن کی دو، بچھتر ایرج کی بھی دو بیویاں اور ایک لونڈی تھی۔

مثنیٰ و ثلث و ربع واؤ آنے کی وجہ سے کچھ لوگ چار سے زائد شادیوں کے جواز کی طرف گئے ہیں، روافض ایک وقت میں نو عورت کو نکاح میں رکھنا جائز کہتے ہیں اور خارجی بیک وقت اٹھارہ عورتوں کو جائز کہتے ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ لفظ اگر چہ مفرد ہیں لیکن ان کے معنی میں تکرار ہے لہٰذا مفرد جمع کرنے سے نو میں تکرار سے اٹھارہ ہو گئے۔

دورِ جاہلیت کے بطورِ نمونہ ہم دو چار واقعات مختصراً ذکر کر چکے

ہیں کہ ایک سے زائد عورتوں سے شادی اس دور تک چلی آئی جسے اسلام نے آکر چار تک محدود کردیا۔اس کے لئے بھی سخت پابندیاں اور شرائط رکھیں۔تعدد ازدواج کے مخالف بالخصوص مغربی ممالک تاریخ عالم سے بخوبی واقف ہیں کہ دوسری عالمی جنگ زدہ ممالک میں مردوں کے بکثرت جانے کے بعد عورتوں کی کثرت کو دیکھتے ہوئے دانشوروں نے یہ سوچا کہ اب اسلام کی تعدداز دواج کی حکمت درست ہے مگر کلیسا کی ہٹ دھرمی اس کے آڑے آئی جس کا نتیجہ یہ سامنے آیا کہ ہرطرف بے حیائی اور بدکاری عام ہوگئی جسے اب قانونی سہارا بھی حاصل ہے، مردوں کا جنگ وغیرہ میں حصہ لینا اور مختلف حوادث میں بے گھر زندگی گزارنا اِس حقیقت سے کوئی انکارنہیں کرسکتا لیکن عورتیں ان حوادث وجنگوں میں کام نہیں آتیں جس سے مردوں کی کمی اور عورتوں کی کثرت ہوجاتی ہے حتیٰ کہ ہرایک عورت کے حصہ میں ایک مرد بحیثیت خاوند نہیں آسکتا، اب زائد عورتیں یا تو ساری زندگی گھٹ کر گزار دیں یا پھر بدکاری کی طرف مائل ہوکر، دونوں صورتوں میں شرف انسانیت برقرار نہیں رہتی۔اگر تعدد ازواج کی اجازت ہوتو ایک مرد کے نکاح میں دو سے چار تک رہ کر دونوں مفاسد سے عورتیں بچ سکتی ہیں۔

علاوہ ازیں مردوں کی جنسی زندگی ،عورتوں کی بہ نسبت طویل ہوتی ہے کیونکہ عورت ایک معین ومخصوص عمر تک پہنچنے کے بعد جنسی خواہشات سے خالی ہوجاتی ہے، اسے اس عمر میں اولاد ہونے کی امید نہیں ہوتی لیکن مرد اس عمر تک پہنچنے کے باوجود اُن خواہشات سے خالی نہیں ہوتا، اسے اس خواہش کے پورا کرنے کے لئے کوئی ساتھی چاہئے جو جائز طریقہ سے حاصل ہو۔اس کی صورت صرف دوسری عورت سے نکاح کے سوا کوئی نہیں۔عورتوں کی ماہانہ عادات، حمل کے دوران نو ماہ کا عرصہ اور پھر بچہ کی پیدائش کے بعد مخصوص وقت تک کے لئے ان سے ہم بستری نہیں کی جاتی جس کی وجوہات ظاہر ہیں، لیکن اتنا طویل عرصہ مرد کیسے گزارے گا جبکہ وہ ہر اعتبار سے صحت مند وتوانا ہو؟اس کا بھی وہی جواب ہے کہ جائز طریقہ یہی ہے کہ دوسری عورت ہو جو اُن عوارض سے خالی ہو۔

پھر ہم دیکھتے ہیں کہ خاوند کسی وجہ سے فوت ہوجاتا ہے، اس کی بیوی اگر عمر کے اس حصہ میں ہے جس میں اسے کسی ساتھی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے تو پھر اس کے لئے دو ہی راستے ہیں: ایک نکاح دوسرا بدکاری پریشان زندگی، ان میں سے بہتر اور صحیح راستہ یہی ہے کہ اسے کسی کے ساتھ نکاح کر لینا چاہئے،عورت کا بانجھ ہونا اور مرد کا جنسی طور پر اس قدر زائد ہونا کہ ایک عورت سے اس کی خواہش پوری نہیں ہوسکتی، اور بھی ایسے دواعی ہیں جو کسی نہ کسی حالت میں دوسری شادی کرنے کی ضرورت بنتے ہیں اس لئے اسلام نے تعدد ازدواج کی اجازت دی اور وہ بھی کڑی شرائط اور پابندیوں کے ساتھ دی ہے۔

جنسی خواہش ومیل عورتوں کی بہ نسبت مردوں میں زیادہ ہوتا ہے، مسائل جنسی پر لکھی گئی کتابوں میں زیادہ تر شکایات عورتوں کی ''سرد مزاجی'' سے متعلق ہیں جو مردوں میں اس کے الٹ ہیں حتیٰ کہ حیوانات میں بھی یہ بات دیکھنے میں آتی ہے کہ جنسی میلانات عملاً نر{مذکر} کی طرف سے شروع ہوتے ہیں۔دوسرے نمبر پر یہ کہتے ہیں کہ مردوں کو ایک سے زائد شادیوں کی اجازت دینے سے کوئی ایسی مشکل میں نہیں آتی جو اجتماعی حقوق سے تعلق رکھتی ہو لیکن عورت کے بارے میں اس کا سر اٹھانا لازمی بات ہے بالفرض اگر کسی عورت کے دو خاوند ہوں تو دیگر مشکلات کے علاوہ ایک معاملہ یہ پیش آئے گا کہ اس کے ہاں پیدا ہونے والا بچہ کس باپ کا ہے؟ اس کا نسب کس سے ہے؟ آجا کر وہ ماں کے پلے ہی پڑے گا، یوں وہ باپ کی شفقت سے محروم رہے گا۔یہی حال ان بچوں کا ہوتا ہے جو مصنوعی طریقہ سے عورت کے رحم سے پیدا ہوتے ہیں۔اللہ عزوجل فرماتا ہے:

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿۲۸﴾ وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۲۹﴾ (سورہ،احزاب ۲۸،۲۹) اے نبی اپنی بیویوں سے فرمادو کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینت چاہتی ہوتو آو میں تمہیں مال دوں اور تم کو اچھی طرح چھوڑ دوں اور اگر اللہ ورسول اور آخرت کا گھر چاہتی ہوتو اللہ نے تم میں نیکی والوں کے لئے بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔

صحیح بخاری میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں نبی ﷺ نے ہمیں اختیار دیا (طلاق لینے کا) ہم نے اللہ ورسول کو اختیار کیا اور اس کو کچھ (طلاق) نہیں شمار کیا۔صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی

اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب یہ آیۃ نازل ہوئی تو حضور پاک نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ اے عائشہ! میں تجھ پر ایک بات پیش کرتا ہوں اس میں جلدی نہ کرنا۔ جب تک اپنے والدین سے مشورہ نہ کر لینا جواب نہ دینا۔ عائشہ صدیقہ نے عرض کی یارسول اللہ وہ کیا بات ہے؟ حضور نے اس آیت کی تلاوت فرمائی عائشہ صدیقہ نے عرض کی یارسول اللہ! حضور کے بارے میں مجھے والدین سے مشورہ کی کیا حاجت ہے بلکہ میں اللہ ورسول اور آخرت کے گھر کو اختیار کرتی ہوں۔

دیگر حدیث سے بھی وضاحت ہوتی ہے کہ طلاق تفویض (سپرد طلاق) یعنی عورتوں کے ہاتھوں میں اس بات کی باگ ڈور ہے جیسے نکاح کے وقت اگر عورت یہ کہے کہ ''طلاق تفویض پر میں قبول کرتی ہوں'' دوسری صورت یہ ہے کہ مرد عورت کو طلاق تفویض کی اجازت دے دے۔ طلاق تفویض کے چند مسائل ہیں: عورت سے کہا تجھے اختیار ہے یا تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے اور اس سے مقصود طلاق کا اختیار دینا ہے تو عورت اُس مجلس میں (مرد کو) اپنے کو طلاق دے سکتی ہے (وغیرہ)

مولیٰ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں اور قارئین کو خصوصاً پردہ نشین خواتین امت مسلمہ جو غیروں کے بہکاوے میں آ کر اسلام کے تقدس کو پامال کرنے کی ناپاک کوشش میں ملوث تھیں، مولیٰ انہیں اصلاح کی توفیق درفیق عطا فرمائے اور سب کی معاونت فرمائے۔ آمین

○○○

☆ خانقاہ سجادیہ ابوالعلائیہ تنظیم اکبری، محلہ شاہ ٹولی، دانا پور شریف، پٹنہ (بہار) 07301242285
Khanquahsajjadiya1298@gmail.com
Raiyanabulolai@gmail.com

چھتیس گڑھ میں تحفظ شریعت کانفرنس

رائے پور ۲۹، اگست ۲۰۱۷ء سپریم کورٹ کے حالیہ فیصلے کو لے کر چھتیس گڑھ کے مرکزی ادارہ مدرسہ اصلاح المسلمین ودار الیتامیٰ رائے پور (سی۔جی) میں آل چھتیس گڑھ علمائے تنظیم کے زیر اہتمام ''تحفظ شریعت کانفرنس'' کا انعقاد ہوا۔ صدر جلسہ جانشین محسن ملّت مولانا محمد علی فاروقی قاضی شہر نے کہا کہ بھارت پر قبضہ کے ساتھ ہی انگریزوں نے مسلمانوں کے تشخص اور ان کی ثقافی عائلی نظام کو بھی ختم کرنے کا منصوبہ بنایا۔ ۱۸۵۷ء میں مفتیوں کو ہٹا کر ان کی جگہ انگریزوں کو بٹھا دیا گیا۔ ۱۸۶۱ء میں قاضیوں کی تقرری کو ختم کیا۔ ۱۸۶۲ء میں اسلامی تعزیرات کو ختم کر دیا گیا۔ ۱۸۷۲ء میں اسلامی قانون شہادت کو بھی مٹا دیا گیا۔ انگریزوں نے ۱۹۳۷ء میں ''شریعت ایکٹ'' بنایا جو ''مسلم پرسنل لا'' کے نام سے مشہور ہے۔ سپریم کورٹ کے فیصلے پر قاضی شہر نے کہا کہ اگر حکومت ایسا کوئی قدم اٹھاتی ہے تو علمائے اسلام کو ساتھ لے کر قانون بنانا چاہیے تاکہ مسلمان اس پر دل سے عمل کر سکے۔ اس سلسلے میں انھوں نے مبارکپور، بریلی شریف، اجمیر شریف، کچھوچھہ شریف کے علما کا ذکر بھی کیا۔ انھوں نے کہا کہ تین طلاق کا ذکر قرآن وحدیث میں صاف وصریح طور پر آیا ہے قرآن میں سورۂ بقر، سورۂ نسا، سورۂ نور، سورۂ احزاب اور سورۂ طلاق کی تقریباً تیس آیتوں میں طلاق کا ذکر ہے پھر کسی کا یہ کہنا کہ تین طلاق کا ذکر قرآن وحدیث میں نہیں ملتا، بالکل غلط ہے۔ صحیح بخاری شریف ص ۷۹۱، پر اور ابوداؤد میں بھی عویمر عجلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ مذکور ہے۔ لوگ ۲۲ ملکوں کا حوالہ دیتے ہیں جس میں مصر کا نام بھی شامل ہے مگر وہاں بھی تین طلاق کو مانا گیا ہے البتہ اس غلط راستے میں چلنے والے کو جیل کی بھی سزا دی جاتی ہے۔ باقی دیگر ۲۱ ممالک میں بھی تین طلاق دینے پر کوئی نہ کوئی طلاق ضرور پڑتی ہے۔ طلاق کا فی صد ہمارے یہاں دنیا میں سب سے کم ہے۔ پورے خاندان میں سو، دو سو سال میں ایک یا دو یا زیادہ سے زیادہ تین طلاق پائی جاتی ہے۔ ہر کوئی اپنے اپنے پریوار پر نظر ڈالے اور دیکھیے کہ دادا نانا سے لے کر بیٹے پوتے تک اس کے خاندان میں کتنی طلاقیں ہوئی ہیں۔ ایسے حالات میں طلاق پر واویلا مچانا، انسانیت نوازی نہیں مگر تین طلاق ایک ساتھ دینا ہر حال میں غلط ہے، اس غلط رسم کو مٹانے کے لئے علما تنظیم کے سکرٹری ڈاکٹر ظہیر الدین رضوی اور نائب صدر حافظ عبدالرزاق نے بتایا کہ ان کی کمیٹی پورے چھتیس گڑھ میں تحریک چلائے گی تاکہ لوگوں کی غلط فہمیاں بھی دور ہوں اور معاشرہ میں سدھار بھی پیدا ہو۔'' مولانا ایوب ازہری (بہرائچ) نے ''طلاق ثلاثہ اور اسلامی ممالک'' اور مفتی روشن رضا مصباحی (گڑھوا) نے ''طلاق ثلاثہ اور خلع'' کے تحت خطاب کیا۔ قاری عمران اشرفی (امام بیرن بازار مسجد) مفتی کلیم احمد (امام مسجد بھلائی) اور ماسٹر شاکر قریشی (ایڈوکیٹ) بھی اور دیگر علمائے کرام موجود تھے۔ ہر ایک نے اپنے اپنے خیالات رکھے اور آخر میں باتفاق رائے یہ تجویز پاس کی گئی کہ (۱) تین طلاق کا قرآن وحدیث میں تفصیلی ذکر ہے لہذا یہ کہنا کہ قرآن وحدیث میں اس کا ذکر نہیں، یہ غلط فہمی ہے۔ (۲) جو لوگ بیک وقت تین طلاقیں دیتے ہیں وہ سخت غلطی پر ہیں۔ حکومت ان کی اصلاح کے لئے شرعی حدود میں کوئی قدم اٹھاتی ہے تو ہم اس کا ساتھ دیں گے۔ (۳) آئندہ حکومت مسلم پرسنل لا کے ساتھ کوئی چھیڑ چھاڑ نہیں کرے گی، اس کے لئے آئین میں دِیے گئے حقوق کو گورنمنٹ مزید مضبوطی دے۔ ان سبھی تجاویز کو قرب وجوار، دور دراز علاقوں سے آئے ہوئے مندوبین نے اتفاق رائے سے پاس کیا۔

رپورٹ: مڈیا انچارج محمد اسرائیل

شرعی احکام

میراث کی تقسیم۔ ذمے داریاں اور کوتاہیاں

صابر رضا رہبر مصباحی★

تاریخ وراثت کا بدنما دور: اسلام سے قبل جس طرح لوگ اپنی طاقت کے بل پر کارزارِ حیات کے ہر شعبے میں شر پسندی کی حدود کو پار کر چکے تھے اسی طرح میدان وراثت بھی اس انتہا پسندی سے خالی نہ تھا۔ میت کے اموالِ متروکہ میں حصے داری کا حق صرف اور صرف مردوں کو حاصل تھا وہ بھی اس کو جو جوان اور میدان حرب وضرب کے لائق ہوتا۔ چوں کہ کمزور، ناتواں، ضعیف، بچے اور عورت اس فطری قوت سے محروم ہوتے اس لیے وہ میت کے اموالِ متروکہ میں حصے داری سے محروم قرار پاتے۔ بے غیرتی و بے شرمی کا یہ عالم تھا کہ میت کے مالِ متروکہ میں اس کی بیوی بھی شامل ہوتی اور وہ جس کے حصے میں جاتی وہ اس کو اپنی بیوی یا لونڈی بنالیتا خواہ وہ اس کا سگا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔

یتیم بچیوں کی حالت تو اور ناگفتہ بہ تھی کہ اگر وہ مال و دولت کے ساتھ ساتھ زیورِ حسن وجمال سے بھی آراستہ ہوتیں تو دولت کی حرص میں تھوڑے مہر پر اُن سے رسماً نکاح کر لیتے لیکن اگر وہ بدقسمتی سے حسن وجمال کی ثروت سے محروم ہوتیں تو پھر ان کا جینا دوبھر ہو جاتا، ان کی زندگی جہنم بن جاتی کیوں کہ نہ تو وہ خود اس کو اپنی نکاح میں لاتے اور نہ ہی اس خوف سے کہ کہیں اس دولت میں کوئی دوسرا حصہ دار نہ ہو جائے، نہ کسی دوسرے سے نکاح کی اجازت دیتے اور یوں ہی یتیم بچیوں کی مسرتوں کا نشیمن حرص و ہوس کے شعلے میں جل کر خاکستر ہو جاتا۔

یہ خستہ حالی صرف ملک عرب کا حصہ نہ تھی بلکہ پورا عالم اس لعنت سے دو چار تھا۔ خود ہمارا ہندوستان جس کو اپنی تہذیب وتمدن پر بڑا فخر تھا، اس کی حالت بھی کچھ مختلف نہ تھی۔ راجاؤں کا دولت کی حرص میں اپنی سگی بہن سے بیاہ رچانا اِس کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

علم فرائض کی اہمیت وفضیلت: علم میراث کا رشتہ فقہ سے ہے اور یہ اس کا ایک درخشاں گوشہ ہے جس نے اپنی اہمیت وافضلیت کی وجہ سے مستقل ایک فن کی حیثیت سے اپنی شناخت قائم کر لی۔ اسلام نے علم میراث کے حصول پر بڑا زور دیا ہے اور اسے نصف علم قرار دیتے ہوئے علم الفرائض کہا ہے۔ علم فرائض کہتے ہیں: **علم باصول من فقه وحساب يعرف به حق الورثة** یعنی علم فقہ وعلم حساب کے ان قوانین کو جاننا جن کے ذریعے ترکۂ میت میں اس کے وارثوں کا حق معلوم کیا جائے۔

(تفہیم الفرائض: ص ۱۳، از: ڈاکٹر عاصم اعظمی)

علم میراث کا جاننا فرض کفایہ ہے۔ رسول اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: **تعلموا الفرائض وعلموها الناس فانها نصف العلم** ۔ تم لوگ فرائض سیکھو اور اسے لوگوں کو سیکھاؤ کیوں کہ وہ نصف علم ہے۔ سب سے پہلے جو علم ہمارے درمیان سے اٹھالیا جائے گا وہ علم میراث ہے اور اس کے اثرات بھی نمایاں ہونے لگے ہیں۔ بیشتر مدارس میں اس فن میں بس ایک کتاب ''سراجی'' داخل نصاب ہے اور ہماری آنے والی نئی نسلوں نے بھی اس فن میں دل چسپی کا مظاہرہ کرنا کم کر دیا ہے جو بڑے افسوس کی بات ہے۔

مشکوۃ شریف میں باب العلم، ص ۳۸ پر ہے: علم فرائض سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ کیوں کہ یہ نصف علم ہے اور یہ علم بھلا دیا جائے گا اور میری امت میں جو چیز علم سب سے پہلے اٹھائی جائے گی وہ علم فرائض ہے یعنی فرائض سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ کہ میں دنیا سے اٹھا لیا جاؤں گا اور یہ علم بھی عن قریب اٹھا لیا جائے گا اور فتنے ظاہر ہوں گے یہاں تک کہ دو شخص حصے کے بارے میں اختلاف کریں گے اور وہ ایسے شخص کو نہ پائیں گے جو اُن کے درمیان فیصلہ کرے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ فرائض اور قرآن کو سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ کیوں کہ میں ظاہری حیات سے وصال پانے والا ہوں۔ (سنن ترمذی شریف)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ فرائض کی تعلیم اس طرح حاصل کرو جس طرح قرآن کی تعلیم حاصل کرتے ہو۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو قرآن کو سیکھے اور فرائض نہ سیکھے وہ ایسا ہی ہے جیسے بے سر کا آدمی بغیر فرائض سیکھے

بے رونق رہے گا۔(تفہیم الفرائض:ص ۱۷)

اسلام کا نظریۂ میراث: افقِ عالم پر جیسے ہی اسلام کا نیر تاباں طلوع ہوا ظلمتوں کا بادل چھٹ گیا۔ ظلم وستم اور استبداد کی زنجیریں ٹوٹ گئیں اور چہار دانگ عالم میں مسرتوں کا سماں بندھ گیا۔ اسلام نے دنیا کے سامنے ایک ایسے معتدل نظام وراثت کا خاکہ پیش کیا جو فطرت اور عائلی زندگی سے ہم آہنگ ہونے کے ساتھ منصفانہ پہلوؤں کا بھی احاطہ کیے ہوئے تھا۔ اس کی بنیاد ظلم وستم اور طاقت وقوت پر نہیں بلکہ الاقرب فالاقرب کے تحت انسانیت کے مقدس رشتوں پر تھی۔ اسلام کے اس پیغام آفریں کو سن کر نہ جانے کتنے لب ہائے نازک پر مسکراہٹوں کی شبنم رقص کرنے لگی جو ایک تبسم کی چاہ میں خشک ہو کر خار دار لباس اوڑھ چکے تھے اور مایوسی و ناکامی اور مظلومیت کو اپنا مقدر تصور کر چکے تھے۔

ہم آئندہ سطور میں قرآنی آیات اور احادیث نبویہ ذکر کریں گے جن سے وراثت کے اصول وضوابط طے پاتے ہیں:

للرجال نصیب مما ترك الوالدان و الاقربون و للنساء نصیب مما ترك الوالدان و الاقربون۔ (سورۃ النساء: پ ۴، آیت ۷) مردوں کے لیے حصہ ہے اس میں سے جو چھوڑ گئے ماں باپ اور قرابت والے اور عورتوں کے لیے حصہ ہے اس میں جو چھوڑ گئے ماں باپ اور قرابت والے۔

اس آیتِ کریمہ کا شان نزول یہ ہے کہ حضرت اوس بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ اس دار فانی سے کوچ کر گئے اور انہوں نے بہت سارا مال چھوڑا۔ ورثے میں ایک بیوی، تین لڑکیاں اور دو چچیرے بھائی سوید، عرفجہ کو چھوڑا۔ زمانۂ جاہلیت کے دستور کے مطابق ان کے سارے اموالِ متروکہ پر ان کے چچیرے بھائی سوید، عرفجہ نے اپنا قبضہ جما لیا، اس طرح ان کی بچیوں اور بیوی کو محروم کر دیا گیا۔ اس پر ان کی بیوی ام کحہ نے کہا کہ جب تم نے سارا مال لے لیا تو ان کی بچیوں سے نکاح بھی کر لو مگر ان کی لڑکیاں حسن وجمال کے زیور سے آراستہ نہ تھیں اس لیے انہوں نے اس سے انکار کر دیا۔ یہ سن کر ام کحہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض گزار ہوئیں کہ میرے شوہر اوس بن ثابت انتقال کر گئے انہوں نے میرے ساتھ تین بچیوں کو چھوڑا، ان کے تمام مال کو ان کے چچازاد عرفجہ اور سوید نے لے لیا، وہ ان بچیوں سے شادی کرنے کو بھی تیار نہیں۔ اب میں کس طرح گزر اوقات کروں؟ بچیوں کی پرورش کس طرح کروں؟ اس داستان کو سن کر سرور کونین ﷺ کافی متاثر ہوئے اور آپ نے عرفجہ اور سوید کو بلایا اور اس سے اس کی وجہ دریافت فرمائی تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ﷺ ہماری قوم میں میت کے مال کے وارث مرد ہی ہوا کرتے ہیں۔ عورتوں اور نابالغوں کو اس میں سے کچھ نہیں دیا جاتا۔ اس کے بعد آیت کریمہ کا نزول ہوا کہ

اللہ تمہیں حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے بارے میں۔ بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں کے برابر پھر اگر صرف لڑکیاں ہوں اگرچہ دو سے اوپر تو ان کو ترکے کی دو تہائی اور اگر ایک لڑکی ہو تو اس کا آدھا اور میت کے ماں باپ ہر ایک کو اس کے ترکے سے چھٹا، اگر میت کے اولاد ہو۔ اگر اس کے اولاد نہ ہو اور ماں باپ چھوڑے تو ماں کا تہائی پھر اگر اس کی کئی بہن ہوں تو ماں کا چھٹا بعد اُس وصیت کے جو کر گیا اور دَین (قرض) کے۔ تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے تم کیا جانو کہ اس میں کون تمہارے زیادہ کام آئے گا۔ ہر حصہ باندھا ہوا ہے اللہ کی طرف سے۔ بے شک اللہ علم والا حکمت والا ہے۔(سورۃ النساء: پ ۴، آیت ۱۱)

قرآن شریف میں مزید فرمایا گیا: کہ تمہاری بیویاں جو چھوڑ جائیں اس میں تمہیں آدھا ہے اگر ان کی اولاد نہ ہو پھر اگر ان کی اولاد ہو تو ان کے ترکے میں سے تمہیں چوتھائی ہے جو وصیت وہ کر گئیں اور دین (قرض) نکال کر اور تمہارے ترکے میں عورتوں کا چوتھائی ہے اگر تمہارے اولاد نہ ہو پھر اگر تمہارے اولاد ہو تو ان کا تمہارے ترکے میں آٹھواں ہے جو تم وصیت کر جاؤ اور دین (قرض) نکال کر اور اگر کسی ایسے مرد یا عورت کا ترکہ بٹتا ہو جس نے ماں باپ اولاد کچھ نہ چھوڑے اور ماں کی طرف سے اس کا بھائی یا بہن ہے تو ان میں سے ہر ایک کو چھٹا پھر اگر وہ بہن بھائی سے زیادہ ہوں تو سب تہائی میں شریک ہیں۔ میت کی وصیت اور دین (قرض) نکال کر جس میں اس نے نقصان نہ پہنچایا ہو۔ یہ اللہ کا ارشاد ہے۔ اللہ علم والا حلم والا ہے۔(سورۂ نساء: آیت ۱۲)

(ترجمہ) تم سے فتویٰ پوچھتے ہیں تم فرما دو کہ اللہ تمہیں کلالہ میں فتویٰ دیتا ہے اگر کسی مرد کا انتقال ہو جو بے اولاد ہے اور اس کی ایک بہن ہو تو ترکے میں اس کی بہن کا آدھا ہے اور مرد اپنی بہن کا وارث ہوگا، اگر بہن کی اولاد نہ ہو پھر اگر دو بہنیں ہوں تو ترکہ میں ان کا دو

تہائی اور اگر بھائی بہن ہو، مرد بھی عورتیں بھی تو مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے۔ اللہ ہر چیز کو جانتا ہے۔ (سورۂ نساء: پ ۵،۶)

سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

(۱) بیٹی کے لیے آدھا ہے اور جو باقی بچ جائے وہ سگی بہن کے لیے ہے (یہ اس وقت ہے جب یہی دونوں میت کے وارث ہوں) حقیقی وارث بھائی ہوں گے (ان کی موجودگی میں) علاتی بھائی وارث نہ ہوں گے، آدمی اپنے بھائی کا وارث ہوتا ہے جو ماں باپ دونوں کی طرف سے ہو (یعنی سگا بھائی) اور صرف باپ کی طرف سے بھائی بھائی کا وارث نہ ہوگا۔

(۲) ایک شخص نے رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ میرا پوتا انتقال کر گیا ہے اس کے ترکے میں میرا کتنا حصہ ہوا؟ آپ نے فرمایا تیرے لیے چھٹا حصہ ہے جب وہ واپس ہوا تو بلایا اور فرمایا کہ تیرے لیے دوسرا چھٹا حصہ اصل حق سے زائد ہے۔

(۳) تاریخ الخلفاء میں ہے کہ ایک شخص کی دادی یا نانی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی کہ میرا پوتا یا نواسہ مرگیا ہے (راوی کو شک ہے کہ انہوں نے پوتا کہا یا نواسہ) اور مجھے بتایا گیا ہے کہ بحکم قرآن پاک اس کی میراث میں میرا حق ہے۔ حضرت ابوبکر نے فرمایا کہ میں قرآن مقدس میں تیرا حصہ نہیں پاتا۔ میں نے رسول اکرم ﷺ کو بھی تمہارے متعلق کچھ فیصلہ فرماتے نہیں سنا لیکن صحابۂ کرام سے پوچھتا ہوں تو حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے دادی کو چھٹا حصہ دیا۔

(۴) حضرت عمر کے پاس ایک دادی آئی اور میراث کا سوال کیا تو آپ نے فرمایا دادی کا چھٹا حصہ ہے اگر دو ہوں گی تو دونوں اس میں شریک ہوں گی، اگر ایک ہوگی تو چھٹا حصہ اس کو پورا مل جائے گا۔ (سہ ماہی امجدیہ گھوسی: ص ۲۴، جنوری تا مارچ ۲۰۰۴)

مذکورہ آیات اور احادیث میں جس وضاحت کے ساتھ میت کے ورثے کے حالات بیان کیے گئے ہیں وہ صرف اور صرف اسلام ہی کا حصہ ہے۔ دنیا کے کسی بھی مذہب میں اس کی ادنیٰ مثال ملنا مشکل ہی نہیں محال بھی ہے۔ اس لیے بڑا افسوس ہوتا ہے اُن پر جو یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اسلام نے عورتوں کے ساتھ انصاف سے کام نہیں لیا کہ اس نے مرد کو عورت کا دوگنا حصہ دیا ہے جب کہ تقاضۂ عدل تو یہ تھا کہ دونوں کو برابر حصہ ملے کیوں کہ دونوں آدم کی اولاد ہیں۔

ان کو کیا معلوم کہ اسلام نے وراثت میں عورتوں کو حصے داری کا مستحق بنا کر ان پر کتنا بڑا احسان کیا ہے اور جہاں تک بات رہی عدل ومساوات کی تو اگر انصاف کی عینک سے دیکھا جائے تو ترکے میں عورتوں کو یہ حق بھی نہیں ملنا چاہئے کیوں کہ عورت پیدائش سے لے کر موت تک مرد ہی کی ذمے داری میں ہوتی ہے اس لیے کہ جب وہ شادی کے بندھن سے آزاد رہتی ہے تو اپنے باپ کی کفالت میں ہر طرح کی معاشی سوچ وفکر سے بے نیاز رہتی ہے پھر جب وہ شادی کے رشتے سے منسلک ہوجاتی ہے تو اس کے نان ونفقہ کا سارا بوجھ اس کے شوہر کے سر ہوتا ہے اور یہاں بھی معاشی فکر سے بے نیاز رہتی ہے مگر اس کے باوجود اگر اسلام نے اس کو میت کے ترکے میں حصہ دیا ہے تو اس پر یہ اسلام کا احسان نہیں تو اور کیا ہے؟

سب سے پہلے خود معترض کو اپنے مذہبی دامن میں جھانکنا چاہیے کہ ان کے یہاں عورتوں کے حقوق اور اس تعلق سے ان کا کیا نظریہ ہے۔ ان کو اسلام کی یہ اعلیٰ ظرفی نظر نہیں آتی کہ اس نے میت کے ورثے میں صرف چار مرد کو حصے داری کا مستحق قرار دیا جب کہ اس کے مقابلے آٹھ عورتوں کو اس کا حق دیا ہے، جو مرد کا دوگنا ہے۔

احکام تقسیم میراث: میت کے متروکہ اموال میں حکم میراث جاری کرنے سے قبل اِن چیزوں کا خاص دھیان رکھنا ہے:

(۱) میت کے اوپر کسی کا قرض تو نہیں؟ اگر ہے تو پہلے اس کے مال سے قرض کی ادائیگی کی جائے گی۔ رسول اکرم ﷺ نے وصیت سے قرض ادا کرنے کا حکم دیا۔ (دارمی) (۲) میت نے کسی کے لیے وصیت تو نہیں کی ہے؟ اگر کسی کے لیے میت نے وصیت کی ہے تو اس کے مقدار مال کو متعلقہ فرد کو دے دیا جائے گا۔ وصیت کردہ مال کی مقدار تہائی سے زائد نہ ہو، اگر اس سے زیادہ ہو تو بھی تہائی (۱، ۳) ہی دیا جائے گا۔ خیال رہے کہ موصی لہ کا تعلق ذوی الفروض سے نہ ہو۔ (۳) میت کی تجہیز وتکفین اس کے مال سے کی جائے گی۔ اس کے بعد جو مال باقی بچے گا اُس میں احکام میراث جاری ہوں گے۔

○○○

سب ایڈیٹر، روزنامہ انقلاب پٹنہ (بہار)
رابطہ نمبر: 8804542020

عقیدہ ونظریہ

مخالفین اسلام کی چالبازیاں اور ہماری تیاریاں

محمد سلیم بریلوی مصباحی★

اس وقت ہماری سراسیمگی کی مثال اُس لشکر کی سی ہے کہ جس پر ایک طاقتور فوج نے مکمل تیاری کے ساتھ ایسے وقت میں حملہ کیا ہو جب وہ خواب خرگوش کے مزے لوٹ رہا تھا۔ اُس وقت اس خوابیدہ لشکر کی صفوں میں جو خوف و ہراس، اضطراب و بے چینی، افراتفری، ہیجان وسراسیمگی اور بھگدڑ پڑتی ہے اور کوئی راہ سجھائی نہیں دیتی۔ ایسی ہی حالت عالمی سطح پر یہود ونصاریٰ کے حملوں اور ہندوستانی سطح پر آر ایس ایس اور مسلم دشمن طاقتوں کے حملوں سے ہماری ہو چکی ہے۔

ہندوستان کے اندر اسلام، شریعت اسلامیہ، مصادرِ شریعت، اسلامی اداروں اور مسلمانوں پر آر ایس ایس، ۷۰، ۸۰ سال کی مکمل تیاری کے ساتھ حملہ آور ہوئی ہے۔

وہ بھی کس پر؟ اُس پر جس کی صلاحیتیں زنگ آلود تو تھیں ہی، اس پر مستزاد یہ کہ نہ کوئی ریہرسل، نہ پریکٹس، نہ مشق، نہ صفوں میں باقاعدگی اوپر سے خوابِ غفلت۔ اب ہماری شریعت کے ہر مسئلہ پر ہندوستان میں حملے کی مکمل تیاری کر لی گئی ہے۔ ابھی طلاق کی بحث ختم نہیں ہوئی تھی کہ قربانی کے وجوب پر سوالیہ نشان لگا دیا گیا۔ اب جلد ہی یہ معاملہ بھی کورٹ جائے گا جہاں جج انگلش ترجمہ والا قرآن ہاتھ میں لے کر سوال کرے گا کہ اس میں دکھاؤ کہ کہاں یہ لکھا ہے کہ ہر سال بکرے، بھینس اور اونٹ کی قربانی کرنا ضروری ہے؟ ہمارا پھر یہی جواب ہوگا کہ یہ کام ہم چودہ سو سال سے کرتے آرہے ہیں۔

تین طلاق کے مسئلہ میں ہمارے وکیلوں سے یہ غلطی بھی ہوئی کہ ججوں کے اس قرآن میں دکھانے والے سوال کو قبول کر کے وہ قرآن سے ثابت کرنے میں لگ گئے۔ جب کہ کہنا تو یہ چاہیے تھا کہ ہماری شریعت کا منبع صرف قرآن نہیں بلکہ قرآن بھی ہے اور اس کے علاوہ تین اور ہیں (۲) حدیث (۳) اجماع اور (۴) قیاس۔

مخالفین کے اعتراضات اور ہماری تیاریاں:

قرآن وحدیث اور شریعت اسلامیہ کی اہم کتابوں پر آر، ایس، ایس اور اسلام دشمنوں نے ان ۸ دہائیوں میں اتنا ریسرچ ورک کیا ہے جتنا ہمارے اہل علم نے نہیں کیا (الا ماشاء اللہ) ان کے پاس مناہل شرعیہ کے ایسے ماہرین ہیں جو ۲ منٹ میں ہمارے اہل علم کو زیر کر سکتے ہیں۔ (الا ماشاء اللہ) پھر اس ریسرچ ورک کے بعد انہوں نے معقولی اور معروضی طریقۂ تردید سیکھا ہے۔ اس کے بر خلاف ہم اپنے اہم شرعی مسائل کو مدلل کرنے کے لیے معقولی اور معروضی انداز نہ جانتے ہیں اور نہ اپناتے ہیں جس کی وجہ سے ان کی باتیں ہمارے عوام کے ذہن و دماغ کو اپیل کرتی اور بیٹھ جاتی ہیں جب کہ ہم وہی آمرانہ انداز جو درسگاہوں میں اپنے طلبہ کے سامنے اپناتے ہیں وہی استعمال کر رہے ہیں۔

ہمیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ ہمارے مدرسوں کی دنیا کے علاوہ بھی ایک بڑی دنیا ہے جہاں معقولیت درکار ہے، آمریت نہیں۔ یہاں تو طلبہ آپ کے ڈر سے وہی مان لیں گے جو آپ نے بتا دیا مگر باہری دنیا کے لوگ اس وقت تک نہ مانیں گے جب تک آپ معقولی اور ان کے ذہن وفکر کو اپیل کرنے والی دلیل نہ پیش کر دیں۔

☆ کیا ہمارے پاس ایسے افراد ہیں جو دنیوی تعلیم رکھنے والوں کو یک بارگی کی تین طلاق کا وقوع ایسے معقولی انداز میں سمجھا سکیں جسے وہ بغیر رورعایت اور دباؤ کے قبول کر لیں؟ ہمارے پاس کتنے ایسے افراد ہیں جو ''حلالہ'' کی شرعی حیثیت معقولی انداز میں انہیں سمجھا سکیں؟ ہمارے پاس کتنے ایسے افراد ہیں جو ہمارے عائلی مسائل کی حقانیت ایسے افراد کے ذہن میں اتار سکیں؟ کیا اب وہ وقت نہیں آ گیا کہ ہم لفاظی کی دنیا سے نکل کر اپنے نظام تعلیم اور طریقۂ افہام وتفہیم کا تجزیہ کریں؟ کیا وہ وقت نہیں کہ ہم اپنے عوام کے ''جدیدیوں'' کو مطمئن کرنے کے لیے تسلی بخش انداز میں تفہیم مسائل کا طریقہ تلاش کریں؟ کیا وہ وقت نہیں آیا کہ طلبہ کو سمجھانے کے ساتھ دنیا کی ماڈرن تعلیم رکھنے والے اپنے اور غیروں کو اُن کی سمجھ کے مطابق شرعی مسائل اور ان کی معقولی علتیں اور فوائد ذہن نشین کرانے کے جدید طریقۂ تفہیم اور جدید طریقۂ بحث پر ریسرچ ورک کریں؟

ہمارے سامنے اپنوں اور غیروں کا ایک عظیم گروہ کھڑا ہے جو ہم سے شرعی مسائل کی تفہیم اپنے انداز میں اور اپنی زبان میں چاہ رہا ہے۔اپنی سمجھ اور فہم کے لیول میں چاہ رہا ہے۔اپنی جدید اصطلاحات میں طلب کر رہا ہے۔ یک بارگی تین طلاق کے وقوع کی معقولی توجیہ اپنے انداز میں مانگ رہا ہے۔حلالہ کی معقولی توجیہ کا وہ اپنے طور پر اطمینان بخش جواب طلب کر رہا ہے۔

نکاح وطلاق کے تعلق سے غلط تصور:

شرعی طور پر ایک دیندار، دینی سمجھ رکھنے والا شخص یہ اچھی طرح جانتا ہے کہ اگر کوئی اپنی بیوی کو تین طلاق دے دے تو وہ عورت اُس کے لئے حرام ہو جاتی ہے پھر عورت اکیلی رہے یا کسی دوسرے شخص سے شادی کرلے بہر حال اس پہلے شوہر کے لئے حرام رہے گی۔اگر عورت چاہے تو اپنی زندگی گزارنے کے لیے کسی دوسرے ایسے شخص سے نکاح کرلے جو اس کی ضرورتوں کا خیال رکھ سکے۔اسے مہر دے سکے، رہنے کو گھر اور پہننے کو کپڑا، پیٹ بھرنے کو کھانا دے سکے۔موت کا نام گالی نہیں۔اگر اتفاق سے وہ دوسرا شوہر بھی انتقال کر جائے یا زندگی کے کسی موڑ پر آ کر اس دوسرے شوہر سے بھی اس کی نہ بن سکے یا وہ اس دوسرے شوہر سے خوش نہیں رہتی اور اس سے الگ ہونا چاہتی ہے اور اس کے لئے وہ اس سے جھگڑتی بھی ہے تو اس نا اتفاقی کی وجہ سے یہ دوسرا شوہر خود اس بیوی کو طلاق دے دے یا خود بیوی ہی اس سے طلاق حاصل کرلے تو اب اس عورت کے لئے یہ آپشن اور راستہ کھلا رکھا گیا ہے اگر چاہے تو زندگی گزارنے کے لیے کسی تیسرے شخص سے نکاح کرلے یا اپنے پہلے والے شوہر سے نکاح کرلے۔اب اس سب سے پہلے والے شوہر سے جس سے اس کا نکاح ابھی تک حرام تھا، اب حلال ہو گیا۔اسی کا نام حلالہ ہے۔میری رائے میں حلالہ کا صحیح مفہوم یہی ہے۔اب اگر اس کا مفہوم کوئی بدل دے تو اس میں اس لفظ حلالے کا کیا قصور؟

آج ہمارے ہندوستانی سماج میں نکاح وطلاق وغیرہ کئی اسلامی احکام کے بارے میں کنفیوزن بلکہ غلط تصور پایا جاتا ہے انہیں میں سے ایک اہم مسئلہ حلالہ کا بھی ہے۔ہمارے سماج میں موجود اِس کنفیوزن اور اس غلط تصور کے ذمہ دار کہیں نہ کہیں ہم لوگ بھی ہیں۔ آج تک ہم نکاح وطلاق وغیرہ کے تعلق سے صحیح اسلامی نظریہ بہتر و احسن اسلامی طریقہ اور قوانین وتوضیحات آسان انداز میں، آسان زبان میں، عربی، اردو، فارسی کے علاوہ انگریزی اور ہندی جیسی دیگر زبانوں میں قانونی کتابوں کی طرح دنیا والوں کے سامنے نہ لا سکے جس کی وجہ سے یہ سارا کنفیوزن پھیلا ہوا ہے۔یہ کام مسلم پرسنل لا بورڈ کا تھا مگر سیاسی فوائد لینے کے سوا بورڈ نے آج تک کچھ نہیں کیا۔حقیقت یہی ہے کہ مسلم پرسنل لا بورڈ اور ہماری مسلم قیادت نے آج ہندوستان میں ہمیں اور ہمارے مذہب کو اس مقام پر لا کھڑا کیا ہے جہاں ہر چہار جانب سے مسلسل حملے ہو رہے ہیں۔انہیں حملوں سے متاثر ہو کر جدید تعلیم یافتہ خود ہمارے ہی افراد ہم سے مندرجہ ذیل نکات پر از سرِ نو بحث وتمحیص کرنے اور غور وفکر کرنے کی شدت سے مطالبہ کر رہے ہیں کہ

(۱) شوہر سے طلاق ہونے اور انقضائے عدت کے بعد کسی دوسرے مرد سے نکاح اور وطی کے بعد زندگی کے کسی موڑ پر وہ دوسرا شوہر اُسے تنہا چھوڑ دے خواہ اس کا سبب طلاق ہو یا اُس کی موت پھر وہ عورت عدت سے فارغ ہو جائے مگر اس کے سامنے ایک طویل زندگی پڑی ہے جسے وہ بغیر شوہر کے نہیں گزارنا چاہتی، اس کے لیے اب وہ آزاد ہے چاہے وہ کسی تیسرے اجنبی شخص سے نکاح کر کے اس کی رفاقت میں زندگی کی گاڑی آگے بڑھائے یا اگر چاہے تو اسی پہلے شوہر سے نکاح کر کے اپنی بقیہ زندگی خوشگوار انداز میں گزارے۔ اس پہلے شوہر سے نکاح اس عورت کے لئے اب حلال ہے جو، اب تک حرام تھا۔بنیادی سوال یہ ہے کہ اس پورے معاملہ کی تعبیر کے لئے حلالے کی اصطلاح کب وجود میں آئی؟ کیا یہ قرآنی اصطلاح ہے؟ کیا حدیث یا اجماع کی اصطلاح ہے؟ یہ اصطلاح قرون اولیٰ کی ہے یا بعد کی؟ کیا اِس مفہوم کی ادائےگی کے لئے ہمارے فقہائے متقدمین یا متأخرین نے حلالہ کی تعبیر یا لفظ حلالہ استعمال کیا ہے؟ اس لفظ حلالہ کا استعمال کب سے چلن میں آیا؟

(۲) دوبارہ پہلے شوہر کے نکاح میں آنے کے لیے حلالہ کا جو مرحلہ ضروری ہے کیا اُس کا شرعی مفہوم حقیقۃً وہی ہے جس کا چلن آج کل ہے اور جسے موجودہ زمانے میں متعارف کرایا گیا ہے؟ یا حلالہ کا شرعی مفہوم کچھ اور ہے؟

(۳) پہلے شوہر تک دوبارہ پہنچانے کے لئے ایک عارضی اور چند

منٹی نکاح اور ایک شوہر کا عارضی سہارا لینا کیا یہی حدیث ''عسیلہ'' کا مفہوم ہے؟ کہیں یہ عارضی نکاح شریعت اور نکاح جیسے مقدس، اہم اور پاکیزہ عمل کا مذاق تو نہیں؟

(۴) حدیث پاک میں ''محلل'' اور ''محلل لہ'' پر جو لعنت آئی ہے اُس سے مراد کہیں ہمارے دور میں متعارف اور معمول بہ وہ عمل تو نہیں جسے ہم ایک ''حیلہ'' کے طور پر استعمال کر رہے ہیں اور اسے لفظ ''حلالہ'' سے تعبیر کر رہے ہیں؟ حدیث عسیلہ کا صحیح مفہوم کیا ہے؟

(۵) طلاق مغلظہ دینے کے بعد سائل نے صرف یہ معلوم کیا کہ طلاق کا وقوع ہوا یا نہیں؟ اس نے اپنے سوال میں یہ نہیں پوچھا کہ دوبارہ اس کے ساتھ زندگی گزارنے کا طریقہ کیا ہے؟ پھر بھی ہم اسے طلاق مغلظہ کا شرعی حکم بتاتے ہوئے اس کے ساتھ دوبارہ زندگی گزارنے کے لیے سائل کو موجودہ معمول بہ اور رائج حلالہ یا حیلہ کے بارے میں جو رہنمائی کرتے ہیں، کیا ہمارا یہ طریقہ کسی تبدیلی کا متقاضی ہے؟ کیا مسائل بتانے والوں کا یہ مشورہ دینا کوئی دانشمندانہ قدم ہے؟ طلاق کے بعد اسی شوہر کے نکاح میں لانے کے لیے بلا ضرورت اس پروسیس کو حیلہ کے طور پر استعمال کرنے کا آسان ترین نسخہ عوام کے ہاتھ میں دینا کہاں تک درست ہے؟ جب کہ طریقہ بتانے والا بھی دوسرے شوہر سے نکاح کو محض ایک عارضی یا چند منٹ کا رشتہ سمجھتا ہے۔ دوسرے شوہر کی بھی نکاح سے پہلے یہی نیت ہوتی ہے بلکہ کئی بار تو صراحۃً طلاق کا معاہدہ ہوتا ہے اور اس نکاح میں شریک لوگ بھی یہی جانتے اور سمجھتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ پہلے شوہر کے نکاح میں دوبارہ آنے کے لئے متعارف کرایا گیا یہ طریقہ شریعت کے مقاصد اور مراد کے مطابق ہے یا خلاف؟

(۶) اہل علم کے ذریعہ عوام کو حلالہ کا یہ مفہوم یعنی چند منٹ کے عارضی نکاح کا طریقہ بتانا وہ بھی بلا ضرورت اور اس کے حقیقی مفہوم سے اغماض برتنا کہیں محلل اور محلل لہ پر لعنت کے زمرے میں تو نہیں آ رہا ہے؟ حلالہ کے حقیقی مفہوم کو بدل کر اُسے محض ایک حیلہ کے طور پر استعمال کرنا اور بلا ضرورت اس کی تلقین کرنا کہیں کوئی شرعی جرم تو نہیں؟ اسلام کے ایک حقیقی قانون کا کہیں یہ ناجائز استعمال تو نہیں؟

(۷) دوسرے شخص سے نکاح اور خلوت صحیحہ کے بعد عورت کو فوراً طلاق دینے کا اقرار کرانا، معاہدہ کرنا اور صراحۃً یا اشارتاً طلاق کا معاہدہ کرنا کس حد تک درست ہے؟ کہیں یہ عمل ''متعہ'' یا ''نکاح موقت'' کے زمرے میں تو نہیں آ رہا؟ بعض لوگ اسے رافضیوں میں رائج ''متعہ'' کا مثل کہتے ہیں کیا اُن کی یہ بات درست ہے؟

(۸) نکاح کے انعقاد سے پہلے ہی طلاق کی یہ نیت کر لینا یا طلاق دینے کا معاہدہ کر لینا نکاح کے مفہوم و ماہیت کے منافی تو نہیں؟ پہلے ہی طلاق دینے کا وعدہ لے کر یہ نکاح کرانا، نکاح کا مذاق تو نہیں؟

(۹) حلالہ کی حکمت کے سلسلہ میں ہمارا یہ بتانا کہ یہ حلالہ پہلے شوہر کے لئے سزا ہے تو اس کی عقلی توجیہ کیا ہوگی؟ ہمارے جدید یے ہم سے یہ پوچھتے ہیں کہ یہ شوہر کی سزا کہاں ہوئی؟ یہ تو عورت کو سزا دینا ہوئی۔ یہ تو عورت کا جنسی استحصال ہوا۔ یہ تو عورت کا ''یون اتپیڑن'' ہوا۔

ہمارے سماج میں رائج نکاح و طلاق اور خاص طور پر حلالے کے بارے میں یہ ایسے سوالات ہیں جو عموماً اہل علم کے ذہنون میں اٹھتے رہتے ہیں۔ آپ حضرات کے سامنے اس لئے پیش کیے ہیں تا کہ ابھی سے ان کے جوابات بھی حاصل ہو جائیں اور ان اعتراضات کو دفع کرنے کے لیے ہم ذہنی طور پر تیار بھی ہو جائیں کیونکہ تین طلاق کے بعد ہمارے زمانے میں رائج اس حلالہ پر بحث شروع ہونے والی ہے اور بہت جلد یہ مسئلہ میڈیا کے بعد کورٹ کی بھی زینت بننے والا ہے۔

آج جس طرح میڈیا کے ذریعہ اسے متعارف کرایا جا رہا ہے، وہ واقعی لوگوں کے ذہنوں میں حلالہ اور تین طلاق کے تعلق سے نفرت بھرا تصور پیدا کر رہا ہے۔ وہ لوگ حلالہ کو عورت پر ظلم اور اس کے ساتھ زنا سے تعبیر کر رہے ہیں۔

براہ کرم اِن معروضات اور سوالات پر سنجیدگی سے غور کیا جائے۔ یہاں کسی طرح کا اعتراض ہرگز مقصود نہیں بلکہ اس بات کی تہہ تک پہنچنا مقصود ہے کہ اس عمل کے موجودہ پروپیگنڈہ میں کہیں ہمارے کسی تسامح یا تساہل یا غلط تعبیر و تشریح اور غلط تفہیم کا دخل تو نہیں؟ اس مضمون کے مجموعی مندرجات میرا موقف نہیں بلکہ انہیں اس لئے پیش کیا گیا ہے تا کہ ان کے جواب کی تلاش شروع کر کے مکمل تیاری کے ساتھ ہم ایسے لوگوں کو معقولی جواب دے سکیں کیونکہ یہ سارے مطالبات آج علمائے کرام کی اس جماعت سے ہیں جنہوں نے تفہیم دین کی ذمہ داری قبول کی ہے۔ اس کے لئے ہمیں بہت مضبوط تیاری کرنا ہوگی۔ طریقہ تعلیم میں تبدیلیاں کرنا ہوں گی۔ اپنی زبان میں توسیع کرنا

ہوگی۔ اپنے طریقۂ تفہیم میں کثیر جہتی لانا ہوگی۔ اپنے مدمقابل کے لیول اور طاقت کا صحیح تجزیہ کر کے اس سے بہتر تیاری کرنا ہوگی۔

یاد رکھیں کہ دین کی تفہیم اور اس امانت کو اپنوں اور غیروں تک پہنچانے کی ذمہ داری علماء نے قبول کی ہے تو علماء ہی کو یہ کام کرنا ہے۔ ورنہ یاد رکھیں کہ اب وہ وقت آ گیا ہے کہ ہمارے ہی افراد ہمارے طریقۂ تشریح دین اور تفہیم مسائل شرعیہ سے غیر مطمئن ہوکر انکار کرنے لگے ہیں جن میں کچھ مسائل تو ایسے ہیں کہ جن کا انکار انہیں کفر کی دہلیز پر لے جائے گا اور ظاہر سی بات ہے کہ اس کے ذمہ دار کہیں نہ کہیں ہم بھی ہونگے۔ ہمیں یہ احساس کرنا ہوگا۔

تدارک: علاج بالمثل پر عمل پیرا ہوکر: مدمقابل کے حملوں کے جو طریقے ہیں ان کا باریک بینی سے جائزہ لیا جائے پھر اس سے بہتر تیاری کر کے۔ آج ڈبیٹ کے جو نئے طریقے ہیں انہیں اپنے قدیمی طریقوں سے ہم آہنگ کر کے۔ انہیں کی زبان میں مہارت حاصل کر کے۔ اپنی اصطلاحات کے ان زبانوں میں جو متبادل ہیں ان پر عبور حاصل کر کے۔ مکمل پریکٹس اور مشق کے بعد ان سے مباحثہ کیا جائے تا کہ ان کی معقولیت کے آگے ہمارے دلائل باؤنس ہوتے نہ نظر آئیں۔

جس طرح معتزلہ کے دلائل سے پھیلنے والی گمراہی سے امت کو بچانے کے لیے علم کلام وجود میں آیا۔ آج اسی کے مثل ایک نئی ضرورت محسوس ہو رہی ہے، اس کے لئے بہترین لائحۂ عمل تیار کیا جائے۔ اعلیٰ قسم کے مخلص اہل علم اور دانشور حضرات اجتماعی طور پر مہینوں ریسرچ ورک کر کے ان اعتراضات کا تجزیہ کریں اور اس کے بعد مقابلہ کی تیاری کے لئے لائحۂ عمل بنائیں۔

ہمارے ارباب مدارس صرف چندہ لینے یا اپنے ادارے کے شعبہ جات کی لسٹ کو لمبا اور طویل کرنے کی غرض سے "تقابل ادیان" کا جھوٹا اشتہار دینا، اب بند کر دیں۔ پانی سر سے اوپر جا چکا ہے۔ قوم کی گردن پر مخالفین کا خنجر رکھا جا چکا ہے مگر ہم ہیں کہ ابھی بھی شیخی خوری میں مبتلا ہیں۔ اب حقیقی طور پر کوئی ایسا سینٹر قائم کرنا ضروری ہے جس میں باصلاحیت افراد کو ٹرینڈ کیا جائے۔ انہیں اپنے دینی اور شرعی مسائل پر عبور حاصل ہونے کے ساتھ دوسرے مذہبوں کے مسائل پر بھی عبور حاصل ہونا چاہیے۔ اُردو، عربی، فارسی کے علاوہ دوسری زبانوں میں صرف دعوے کی حد تک نہیں بلکہ حقیقی طور پر ایسا ٹرینڈ کرنا چاہیے کہ وہ ان زبانوں میں ویسے ہی بحث کریں جس طرح اُردو زبان میں کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی آج بحث و مباحثہ اور ڈبیٹ کے جو نئے طریقے رائج ہوئے ہیں ان تمام طریقوں کی ریہرسل کرانا چاہیے۔ اگر ہم نے پانچ دس سال کی محنت کے بعد ۱۰۰ ؍ ایسے باصلاحیت علماء ٹرینڈ کر دیے تو یقین جانئے ہمارے یہ ٹرینڈ افراد ہی آر، ایس، ایس جیسی تنظیموں کے ہزاروں افراد کے لیے کافی ہیں۔

ٹی وی ڈبیٹ کے ذریعہ شرعی مسائل پر نشانہ:

آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ آر، ایس، ایس نے ہماری مسلم عوام کو شریعت اسلامیہ خاص کر نکاح و طلاق سے متعلق مسائل سے برگشتہ کرنے اور ان مسائل کے سلسلہ میں تشکیک کا رجحان پیدا کرنے۔ اور شریعت اسلامیہ کا رفتارِ زمانہ سے ہم آہنگ نہ ہونے کا تصور پیدا کرنے کے لیے ایک بہت ہی خطرناک اور کارگر منصوبہ تیار کر کے اُس پر کام کرنا شروع کر دیا ہے۔ آر، ایس، ایس کو یہ اچھی طرح معلوم ہے کہ مسلمانوں کی اکثریت اپنے شرعی مسائل کی کتابوں کو ہاتھ بھی نہیں لگاتی۔ نہ ہی وہ ان کی گہرائی کو علماء سے سمجھنا چاہتی ہے۔ انہیں یہ بھی معلوم ہے کہ آج مسلمانوں کا ۹۹ فیصد طبقہ ٹی وی وغیرہ دیکھنے میں ملوث ہے۔ اس لیے انہوں نے ٹی وی چینلوں پر نکاح و طلاق سے متعلق مسائل شرعیہ پر بحث و مباحثہ اور ڈبیٹ کرنے کے لیے باقاعدہ ایک ٹیم تیار کی ہے جس میں ایک اینکر ہے، دو تین ان کے زرخرید مولوی ہیں۔ دو تین آزاد خیال مسلم مرد اور عورتیں ہیں اور دو تین آر، ایس، ایس، بی جے پی اور وشو ہندو پریشد سے متعلق افراد۔ یہ پورا ٹولہ منصوبہ بند طریقے سے اسٹوڈیو میں بیٹھ کر کسی شرعی مسئلہ پر بحث شروع کرتا ہے۔ مولوی اس شرعی مسئلہ کی چیخ و پکار اور جھلاّہٹ بھرے لہجے میں معقولیت سے دور جہالت بھری توجیہ و توضیح کرتا ہے۔ مسلم عورتیں اور ماڈرن تعلیم رکھنے والے مسلم مرد اس پر اعتراض کرتے ہیں۔ غیر مسلموں کی نمائندگی کرنے والے بنام مسلم مولوی اور غیر مولوی ان دونوں طبقوں میں ہونے والی گرما گرم بحث میں گھی ڈالنے کا کام کرتے ہیں۔

اس طرح اخیر میں اینکر اور وہ غیر مسلم بحث کرنے والے یہ ڈکلیئر کر دیتے ہیں کہ اسلام کا یہ مسئلہ غلط ہے۔ اسلام کا یہ مسئلہ مولویوں کا گڑھا ہوا ہے۔ اس کا قرآن و حدیث سے کوئی ثبوت نہیں۔ اِس زمانہ

میں اس کی تائید نہیں کی جاسکتی۔ یہ رفتارِ زمانہ سے ہم آہنگ نہیں۔ اس سے عورتوں کا استحصال ہورہا ہے۔ یہ مسلم خواتین پر ظلم ہے۔

یہ سارا تماشا روزانہ ٹی وی چینلوں پر ٹی وی دیکھنے والوں کو دکھایا جاتا ہے۔ اس ڈبیٹ کا سب سے خطرناک پہلو یہ ہے کہ ہمارا مسلم معاشرہ جب اسے دیکھتا ہے اور وہ شرعی مسائل کا دفاع کرنے والے زرخرید مولوی کی درگت بنتے ہوئے دیکھتا ہے تو اس کے ذہن میں یہ بات گھر کر جاتی ہے کہ شریعت اسلامیہ کے اس مسئلہ کی کوئی معقول توجیہ نہیں۔ اس میں معقولیت سرے سے ہے ہی نہیں۔ مولوی لوگ صرف چیخ و پکار کرنا جانتے ہیں۔ تفہیم دین اور تفہیم مسائل شرعیہ سے یہ ناواقف ہیں۔ شاید ٹی وی کی انہیں ساری خرابیوں کو فراست مومنانہ سے سمجھ کر ہمارے بزرگوں نے اس سے دور رہنے کی تلقین کی تھی مگر افسوس کہ آج گھر تو دور کی بات، ہر ہاتھ میں ٹی وی ہے۔ ہر ہاتھ میں موبائل کی صورت میں ویڈیو ہے۔ ٹی وی چینلوں پر چلنے والا یہ سارا ڈرامہ صرف اور صرف شریعت اسلامیہ کو از کارِ رفتہ باور کرانے، مولویوں کا تقدس مآب عوامی تصور پامال کرنے، علماء پر عدم اعتماد کی فضا ہموار کرنے، ان سے عوام کو دور کرنے اور علماء سے عوام کو برگشتہ کرنے کی سازش کے طور پر رچا جاتا ہے۔ اس کے پیچھے آر، ایس، ایس کا ذہن اور پیسہ کام کرتا ہے۔ آر ایس ایس کی جدید شدھی تحریک نے یہ سارا پلان، منصوبہ اور افراد تیار کرنے کا کام کیا ہے۔

شدھی تحریک بنام راشٹریہ مسلم منچ:

یاد رکھیں کہ آج اسلام، شریعت اسلامیہ اور مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کے لیے آر ایس ایس نے ایک بہت مضبوط تحریک کو جنم دیا ہے جو، راشٹریہ مسلم منچ کے نام سے متعارف ہورہی ہے۔ اس کا بانی ''اندریش کمار'' ہے۔ یہ وہ شخص ہے جسے مذہب اسلام کی کافی معلومات ہے۔ بنام اسلام کتنے فرقے ہیں؟ کون سا فرقہ کب وجود میں آیا، آپس میں اصولی اور فروعی اختلافات کیا ہیں، کتنے سلاسل طریقت ہیں، کس سلسلہ کا بانی کون ہے، ہر سلسلہ کے مشہور مشائخ طریقت کون ہیں، آپسی اختلافات کیا ہیں، کس خانقاہ کا کس سے کیا اختلاف ہے، کس خانقاہ کے اندر کیا خاندانی اختلاف ہے، مذاہب اربعہ کے مشہور اختلافی مسائل کون کون سے ہیں، کتنے مسائل منصوص ہیں اور کتنے غیر منصوص، کون سے اختلافی ہیں اور کون سے مختلف فیہ، کن مسائل کا ثبوت صراحۃً قرآن و حدیث سے ہے اور کن کا صراحۃً نہیں۔ ان سب باتوں کو وہ کافی حد تک جانتا ہے۔ اسلام اور شریعت اسلامیہ کی اسے اچھی خاصی نالیج ہے۔ بلا تکلف اپنی تقریروں میں آیات قرآنیہ اور احادیث کریمہ پڑھتا ہے۔ نکاح طلاق اور حلالہ پر بھی خوب بولتا ہے۔

اسی نے یہ شوشہ چھوڑا تھا کہ یک بارگی تین طلاقیں مسلم عورتوں پر ظلم ہے۔ اسی نے یہ اعتراض کیا تھا کہ حلالہ مسلم عورتوں کے ساتھ زنا ہے۔ اب اس نے یہ پروپیگنڈہ کرنا شروع کردیا ہے کہ قربانی کا ثبوت قرآن سے نہیں وہ یہ بھی لوگوں کو بتاتا ہے کہ سارے ہندوستانی مسلمانوں کے اجداد غیر مسلم ہندو اور مشرک تھے لہٰذا اُن مشرکانہ اعمال و افعال سے چڑ کیوں؟ یہ لوگ یہ بولی بھی بولتے ہیں کہ معاذ اللہ کعبہ میں ایک پتھر رکھا ہے جو شولنگ کے مشابہ ہے۔ اسلام میں حجر اسود کا بوسہ اور پتھروں سے بنی عمارت کا طواف ہمارے پتھروں کے پوجنے کے مشابہ ہے۔ حجر اسود کا بوسہ اور طواف کعبہ کی شکل میں غیر اللہ کی پرستش اسلام میں بھی ہے۔ احرام ہماری سنیاسی روایت ہے۔

یہ دراصل اِس دور کی شدھی تحریک ہے۔ جس طرح اُس دور کی شدھی تحریک نے لاکھوں مسلمانوں کو مرتد بنا دیا تھا، اسی طرح آج اس راشٹریہ مسلم منچ نے لاکھوں کو اعتقاداً مرتد بنا دیا ہے۔ طریقہ البتہ تھوڑا تبدیل کیا ہے۔ پہلے وہ پوجا پاٹھ کرا کر با قاعدہ ہندو مذہب میں شامل کرتے تھے۔ اب یہ مسلمانوں کے عقائد و نظریات میں فساد و بگاڑ پیدا کرکے انہیں نام کا مسلمان بنے رہنے کی تلقین کرتے ہیں تاکہ مسلم معاشرہ ان سے میل جول ختم نہ کرے بلکہ یہ مسلمانوں میں رہ کر زیادہ وسیع انداز میں اپنے جیسے لوگ بنا سکیں۔

ماضی کی شدھی تحریک کی ناکامیوں کے اسباب پر خوب ریسرچ ورک کرکے یہ اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ اس دور میں شدھی تحریک چلانے والوں کی دو بنیادی غلطیاں تھیں (۱) مذہب کا سہارا لے کر مذہبی رنگ میں قدیم شدھی تحریک چلائی گئی۔ (۲) مسلمانوں کے مذہب کو تبدیل کرکے انہیں باقاعدہ ہندو مذہب میں داخل کیا گیا۔

ان دو غلطیوں کو وہ ناکامی کے اسباب قرار دیتے ہیں اور ان کا ماننا ہے کہ ان دو چیزوں کی وجہ سے اس قدیم شدھی تحریک کی شد و مد سے مخالفت ہوئی کیونکہ مسلمان کتنا بھی بدعمل کیوں نہ ہو مگر وہ تبدیلی مذہب

کو برداشت نہیں کر سکتا اور مذہب تبدیل کرنے والے سے وہ نفرت کرتا ہے۔ایسے مرتدوں سے تعلق تو دور کی بات وہ اس کی صورت بھی نہیں دیکھنا چاہتا جس کی وجہ سے وہ اپنے جیسا کسی کو کیا بنائے گا؟

اس لیے اِس دور کی اس شدھی تحریک یعنی راشٹریہ مسلم منچ نے پہلے تو اپنا نام بدلا۔مذہب کا نام اور سہارا لینے کے بجائے اس نے حب وطنی اور دیش بھکتی کے نام پر مسلمانوں کو اپنے سے قریب کرنا شروع کیا تاکہ اس کی اِس تحریک پر کوئی قانونی شکنجہ نہ کس سکے اور زبردستی دھرم پریورتن یعنی تبدیلی مذہب کرانے کی دفعہ کے تحت مقدمہ قائم نہ ہو سکے۔اس نے اپنے جال میں آئے ہوئے مسلمانوں کو اپنے مذہب میں شامل نہ کیا بلکہ اسلام کے عقائد و معمولات سے برگشتہ اور باغی بنا کر انہیں میڈیا کے سامنے لا کر یہ میسیج عام کرایا کہ خود مسلمان ہی اپنے مسائل شرعیہ میں تبدیلی کے خواہاں ہیں۔مسلمان ہی تین طلاق کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔مسلمان ہی حلالہ کی رسم پر پابندی لگوانا چاہتے ہیں۔مسلمان بابری مسجد کی جگہ مندر بنانے کو تیار ہیں تو کورٹ کیوں آڑے آ رہا ہے؟ مسلمان بخوشی وہ جگہ مندر کو دے رہے ہیں تو اب کورٹ میں کیس چلنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

اسلام اور شریعت کے خلاف اگر بنام ہندو وہ خود آواز بلند کرتے تو یقیناً مسلمان ان کی آواز پر کان نہ دھرتے۔ساتھ ہی ان پر مذہبی بھاوناؤں اور مذہبی عقیدت کو ٹھیس پہنچانے کا مقدمہ بھی قائم ہوتا مگر جب بنام مسلم خود ایک مسلمان یہ آواز اٹھائے گا تو کون اس پر مقدمہ درج کرائے گا؟ آپ کو حیرت ہوگی کہ اِس وقت راشٹریہ مسلم منچ کے ممبروں کی تعداد لاکھوں سے متجاوز ہو چکی ہے جن میں کئی لاکھ تو صرف مسلم عورتیں ہی ہیں۔

ماضی کی شدھی اور آریائی تحریک اور راشٹریہ مسلم منچ میں ایک قدرِ مشترک یہ بھی ہے کہ شدھی تحریک نے اپنے فتنۂ ارتداد کو پھیلانے کے لیے راجستھان، آگرہ، باغپت، الہ آباد، مدھیہ پردیش جیسے علاقوں کو چنا تھا، وہیں یہ زیادہ کامیاب بھی ہوئی۔اسی طرح راشٹریہ مسلم منچ کا قیام بھی راجستھان میں ہوا۔اس کے بعد آہستہ آہستہ یہ آگرہ، علی گڑھ، باغپت، مدھیہ پردیش وغیرہ ہوتے ہوتے اب لکھنؤ اور یوپی کے دوسرے اضلاع میں بھی خوب پاؤں پسار رہی ہے۔

جب سے یوگی حکومت یوپی میں بنی ہے تب سے یوپی میں اس کو خوب فروغ ملا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ پورے ملک خاص کر اتر پردیش کے مسلمان سیاسی یتیم ہو چکے ہیں۔اب انہیں اپنے گورنمنٹی کام کرانے کے لیے کوئی سیاسی ذریعہ نہیں مل پا رہا ہے۔ایسے میں ان کے گورنمنٹی کام کرانے کے نام پر راشٹریہ مسلم منچ کے لوگ انہیں اپنے جال میں پھنسا رہے ہیں اور ضرورت مند، غیر دین دار محض دنیا دار مسلمان بہت آسانی کے ساتھ ان کا شکار بن رہے ہیں۔ان کا شکار بننے والوں میں صرف عوام ہی نہیں بلکہ انہوں نے کئی نام کے علماء بھی اپنے ٹولے میں شامل کر رکھے ہیں جنہیں وہ بھاری بھر کم مال و دولت اور پرتعیش مراعات بھی دے رہے ہیں۔

مذکورہ تفصیلات سے آپ کو یہ اندازہ ہو گیا ہوگا کہ آج کی یہ راشٹریہ مسلم منچ ماضی کی شدھی تحریک سے کہیں زیادہ خطرناک ہے۔

خدارا اُس کے فتنے سے بچنے اور بچانے کے لیے اپنے کو تیار کریں۔اس کے بنیادی اہداف اور طریقۂ کار کو جاننے کے لیے زمینی طور پر کام کرنے والے افراد تیار کریں۔اپنی ذمہ داریوں سے منھ نہ موڑیں۔اس وقت امت مسلمہ کو ان فتنوں سے بچانے کے لیے بہت کام پینڈنگ میں پڑے ہیں۔خدارا بے حسی کے خول سے باہر نکلیں۔ہر میدان کے افراد تیار کریں۔کام زیادہ ہے اور افراد کم۔

مایوس نہ ہوں۔اللہ و رسول کی مدد پر بھروسہ رکھیں۔خلوص کے ساتھ ان فتنوں سے مقابلہ کرنے کے لیے ہم اور آپ کمربستہ ہو جائیں تو ربانی مدد ضرور ہماری دستگیری فرمائے گی۔بس شرط یہ ہے کہ خواب غفلت سے ہم اور آپ اب بیدار ہو جائیں۔فتنوں کا سیلاب اب ہماری دہلیز پار کر کے ہمارے اور آپ کے گھروں میں داخل ہو چکا ہے۔ایسے میں یہ غفلت کی نیند کیسی؟

یاد رکھیں! اب بھی گھر میں گھس چکے فتنوں کے اِس سیلاب کو نہ روکا تو ہر طرف تباہی ہی تباہی دکھائی دے گی۔آنے والی نسل ہمیں ہرگز معاف نہ کرے گی۔مستقبل کا مؤرخ ہماری ایسی تاریخ رقم کرے گا کہ جس کی مثال تاریخ اسلام میں ڈھونڈھے سے بھی نہ ملے گی۔

خدارا کچھ تو کریں۔کہیں سے تو اس فتنے کی سرکوبی کے لیے کام کی ابتدا ہو۔ہم کب تک ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر یہ سوچ کر خوش ہوتے رہیں گے کہ ہم تو ابھی محفوظ ہیں۔ہمارے مفادات تو ابھی صحیح و سالم ہیں۔ہمارے گھر تو اس فتنہ کی پہنچ سے دور ہیں۔تو کیا ہم دنیا میں صرف

اپنے آپ کو محفوظ و مامون رکھنے کو آئے ہیں؟ کیا ہم صرف اپنے مفادات سادھے رکھنے کے لیے پیدا ہوئے ہیں؟

کیا امت وسط کی شان یہی ہے؟ کیا خیر امت کا تقاضہ یہی ہے؟ کیا عوام کو فتنوں سے بچانے کی ہماری کوئی ذمہ داری نہیں؟

آہ! ہر طرف تاریکی، ہر طرف گھٹا ٹوپ اندھیری، اس فتنے کی تاریکیوں سے نجات دلانے کو مدھم سی لو والا چراغ بھی نظر نہیں آ رہا۔

راشٹریہ مسلم منچ یا اِس ماڈرن ہائی ٹیک شدھی تحریک کے فتنوں سے بچانے کو ہم حجۃ الاسلام سا کہاں سے لائیں؟ سرکار مفتی اعظم سی ذات ہمیں کہاں سے ملے؟ سید اسمٰعیل حسن شاہ جی میاں جیسی مشیر و مخیر اور محرک شخصیت کدھر ڈھونڈھیں؟ سید تاج العلماء مارہروی جیسا مدبر مخلص اور بے لوث قائد کس جگہ تلاش کریں؟ حضرت صدر الافاضل اب ہمیں کہاں ملیں گے؟ حافظ ملت جیسی دور اندیش شخصیت ہم کہاں سے ڈھونڈھ کر لائیں۔ اشدھی تحریک کو ماضی میں زمین دوز کرنے والے وہ مشائخ اہل سنت ہم کس دنیا میں جا کر بازیافت کریں؟

للہ! کوئی تو ہمیں اِن فتنوں سے لڑنے کے گُر بتائے! کوئی تو ہمیں ایسے قائدین کا سراغ عنایت فرمائے! کوئی تو ان آریہ سماجی اندھیریوں میں چراغ ہدایت روشن کرے۔ کوئی تو ان فتنوں سے متاثر افراد کے علاقوں میں جا کر ہمارے بزرگوں کی طرح کیمپنگ کرے۔

وہ کتنا مبارک دور تھا جب اس فتنے اشدھی تحریک کی بیخ کنی کے لیے ہمارے سارے بزرگوں نے متحدہ طور پر بریلی شریف کو مرکز مان کر ایک مضبوط متحدہ پلیٹ فارم تیار کیا تھا جسے مارہرہ مقدسہ کی مضبوط ترین سرپرستی اور دیگر خانقاہوں کی بے لوث حمایت حاصل تھی۔

آج ویسا متحدہ محاذ کہاں؟ ویسی اجتماعیت کا حسی وجود کہاں؟ ہمارا وہ شیرازہ کدھر گم ہو گیا؟ ہماری وہ اجتماعیت کہاں روپوش ہو گئی؟ ہے کوئی جو ہمیں اِس گمشدہ مرکزیت کا سراغ دے سکے؟ ہے کوئی جو ہماری جماعت کو وہ متحدہ پلیٹ فارم لوٹا سکے؟ ہے کوئی جو اس مبارک و تاریخ ساز شیرازہ بندی کی بازیافت کر سکے؟ اس اتحادِ رفتہ کو ماضی کی دبیز تہوں سے نکال کر لانے والا بطلِ جلیل کہاں جا کر تلاش کریں؟

اے اللہ! تیرے محبوب کے یہ عاشق کیا اسی طرح منتشر و مفترق رہیں گے؟ اے رب العالمین! کیا سوادِ اعظم کا خطاب زرّیں پانے والے یوں ہی طوائف ملوکی کا شکار رہیں گے؟ اے رب کائنات! تیرے پیارے کی بھولی بھالی بھیڑوں کا ریوڑ کب تک بھیڑیوں کے بن میں بنا راعی کے خوف و ہراس اور سراسیمگی کی کیفیت سے دو چار رہے گا؟

☆☆☆

☆ مدیر اعزازی ماہنامہ اعلیٰ حضرت بریلی شریف
9235703585

(بقیہ صفحہ ۵۰ کا) (۲۴) نزہۃ الخواطر، جلد دوم، سید عبد الحی رائے بریلوی، دار ابن حزم بیروت ۱۴۲۰ھ/ ۱۹۹۹ء ص ۶۳۹
(۲۵) مجلہ دراسات دینیہ، فیکلٹی آف تھیالوجی، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، ۱۹۹۰ء-۱۹۹۱ء ص ۲۲۸
(۲۶) حدائق الحنفیہ، فقیر محمد جہلمی مطبع نول کشور لکھنو ۱۹۰۶ء ص ۴۲۱
(۲۷) نزہۃ الخوطر، جلد دوم، عبد الحئی رائے بریلوی، دار ابن حزم بیروت ۱۴۲۰ھ / ۱۹۹۹ء ص ۳۲۷
(۲۸) عہد اورنگ زیب میں علما کی خدمات، ڈاکٹر علاء الدین خان، البلاغ پبلی کیشنز نئی دہلی ۲۰۱۳ء ص ۲۳۳
(۲۹) معارف، ماہنامہ، شمارہ مارچ ۱۹۶۷ء ص ۲۳۳
(۳۰) مجلہ دراسات دینیہ، فیکلٹی آف تھیالوجی، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، ۱۹۹۰ء-۱۹۹۱ء ص ۲۲۸
(۳۱) ایضاً (۳۲) ایضاً (۳۳) ایضاً
(۳۴) عربی ادبیات میں پاک وہند کا حصہ، ڈاکٹر زبید احمد، ترجمہ شاہد حسین رزاقی، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۹۹ء ص ۲۷۱
(۳۵) التفسیرات الاحمدیہ، دار الکتب العلمیہ بیروت ۲۰۱۰ء ص ۲۹۔ مناقب الاولیاء (خودنوشت)، ملا احمد جیون امیٹھوی عکس مخطوطہ الاحسان لائبریری، خانقاہ عارفیہ، الہ آباد
(۳۶) تذکرہ مفسرین ہند، جلد اول، محمد عارف عمری، دار المصنفین اعظم گڑھ ۱۹۹۵ء ص ۱۲۱
(۳۷) التفسیرات الاحمدیہ، ملا احمد جیون امیٹھوی، دار الکتب العلمیہ، ۲۰۱۰ء ص ۱۰
(۳۸) ایضاً ص ۱۰) (۳۹) ایضاً ص ۱۰
(۴۰) عربی ادبیات میں پاک وہند کا حصہ، ڈاکٹر زبید احمد، ترجمہ شاہد حسین رززاقی، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۹۹ء ص ۲۶۹
(۴۱) ہندوستانی مفسرین اور ان کی عربی تفسیریں، ڈاکٹر محمد سالم قدوائی، مکتبہ جامعہ، نئی دہلی ۱۹۷۳ء، ص ۱۱۶-۱۱۷ (۴۲) ایضاً ص ۱۱۶-۱۱۷

(جاری)

☆☆☆

☆ ریسرچ اسکالر شعبہ علوم اسلامی جامعہ ہمدرد نئی دہلی - ۶۲

حالات حاضرہ

ملک میں تعصب کا بڑھتا ہوا ماحول

محسن رضا ضیائی★

ہندوستان کی سرزمین دنیا کی واحد ایسی سرزمین ہے جہاں برسوں سے مختلف کلچر اور زبانیں رکھنے والی قومیں اور نسلیں آباد ہیں۔ یہاں مختلف رنگ و نسل، ذات پات اور کئی ایک مذاہب و ادیان کے لوگ بستے ہیں۔ ان سب کے باوجود ہندوستان کئی سالوں سے اتحاد و یک جہتی اور اخوت و بھائی چارگی کا بے مثال ملک رہا ہے۔ اپنی انہی ہمہ رنگ خوبیوں اور کثرت میں وحدت کے سبب اسے پوری دنیا کا ایک مثالی ملک ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ یہاں آپس میں مل بیٹھ کر ملی، سماجی، معاشی اور ہر طرح کے معاملات کو بحسن وخوبی انجام دیا جاتا رہا ہے۔ یہ ملک پوری دنیا میں امن ومحبت، اخوت و بھائی چارگی اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کا بے مثال گہوارہ کہلاتا ہے۔ یہاں کی گنگا جمنی تہذیب کو لوگ قدرو احترام کی نظر سے دیکھتے ہیں۔

لیکن کچھ سالوں سے یہاں کے حالات یکسر طور پر بدل گئے، آج سے چند سال پہلے یہ کسی نے بھی نہیں سوچا تھا کہ ملک کے اتنے برے دن آجائیں گے، ملک کی اپنی قدیم تہذیبی اقدار وروایات کو انتہائی بے دردی کے ساتھ کچل دیا جائے گا۔ تعصب ونفرت کا ماحول پروان چڑھے گا۔ مسلمان ہونے کی وجہ سے دہشت گرد، انتہا پسند یا پھر ملک دشمن قرار دے کر سزائے موت اور پھانسی دے دی جائے گی۔ پتہ نہیں ان چند سالوں سے ہمارے وطنِ عزیز کو کس بدنگاہ کی نظر لگ گئی کہ ملک اور سماج میں تعصب وتنگ نظری کی آگ اس قدر بھڑک اٹھی کہ اس کی زد میں اب تک کتنے ہی طبقات اور قبیلے آکر جھلس چکے ہیں۔ خاص طور پر شمالی ہند کی ریاستوں اور کم آبادی والے علاقوں میں مسلمان عدم تحفظ اور تعصب کے شکار ہیں۔ قتل وفساد اور ظلم زیادتی کا غلبہ ہے۔ نفرت وتعصب اور ظلم وتشدد کا سلسلہ دادری کے اخلاق کی دردناک موت سے جو شروع ہوا تو وہ اب تک ختم ہونے کا نام نہیں لیا، اب تک کئی مسلمان قتل وفساد، نفرت وتعصب اور فرقہ وارانہ فساد کی بھینٹ چڑھ چکے ہیں۔ گویا وطنِ عزیز

ہندوستان میں ان دنوں تعصب وعدمِ رواداری کے واقعات میں روز بروز اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ وہ تعصب خواہ قوم ونسل کی بنیاد پر ہو یا وطنیت وقومیت، یا پھر تہذیب وتمدن ہی کی بنیاد پر کیوں نہ ہو، وہ ملک اور اس کے باشندوں کے حق میں ہلاکت ونقصان کا باعث ہے۔ یہ انسانیت کے لیے نہایت ہی مضر اور خطرناک ہے۔ دنیا کا کوئی بھی مذہب اس کی قطعاً اجازت نہیں دیتا ہے اور نہ ہی کوئی تہذیب اسے پسند کرتی ہے۔

غور طلب امر یہ ہے کہ یہ سب ملکی آئین ودستور کی صریح خلاف ورزی ہورہی ہے، کھلے عالم جمہوریت اور اس کے قوانین کا مزاق اڑایا جارہا ہے۔ ۱۹۴۷ء سے ۱۹۴۹ء کے دوران جب ملکی آئین وجود میں آیا تو آئین کے حصہ سوم میں (Fandamental Rights) بنیادی حقوق کو دفعہ ۱۲ سے لے کر ۳۵ تک ذکر کیا گیا ہے۔ اسی میں خاص طور پر دفعہ ۱۵ میں حقِ مساوات (Right to Equality) کے تحت ''مذہب، نسل، ذات پات، جنس، جائے پیدائش یا اُن میں سے کسی ایک کی بنیاد پر امتیازی سلوک برتنے پر پابندی کی بات کہی گئی ہے۔ اسی طرح آئین کے دفعہ ۲۵ میں حقِ آزادیِ مذہب (Right to freedom of religion) کی بات اس طرح کہی گئی ہے کہ ''ملک کے ہر شہری کو آزادیِ مذہب اور اس کی عبادت کا مکمل طور پر حق حاصل ہے۔''

آئینِ ہند میں تو مذہب ودھرم، ذات پات، نسل وجنس اور قومیت ووطنیت کی بنیاد پر امتیاز وتفریق (Discrimination) برتنے پر پابندی عائد کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ مکمل طور پر مذہبی آزادی اور اس پر عمل کرنے کا بھی حق دیا گیا ہے۔

لیکن اس کے باوجود ملک میں حکومتی اور سماجی سطح پر ہر معاملے میں امتیاز برتا جارہا ہے۔ دوسروں کے مذہب میں بے جا مداخلت کی جارہی ہے۔ کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ جو لوگ قانون وآئین کے

محافظ کہلاتے ہیں، وہی مذہب ودھرم ،قوم ونسل اور ذات پات کے نام پر اس کی دھجیاں بکھیر رہے ہیں، آئین ساز اسمبلی کے تو یہ ذہن و دماغ میں بھی نہ آیا ہوگا کہ ہمارا تشکیل دیا ہوا قانون تاش کے پتوں کی طرح بکھر کر رہ جائے گا۔ موجودہ حکومت اس طرح کے دل سوز اور الم ناک واقعات پر قابو پانے میں اب تک ناکام ثابت ہوئی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ خود حکومت بھی اقلیتی عوام کے ساتھ امتیاز وتفریق کا معاملہ برت رہی ہے، ان کے بنیادی حقوق سلب کر رہی ہے۔ ان کے مذہب وعقیدے پر سوالیہ نشان لگا رہی ہے۔ نت نئے پروپیگنڈے بنا کر انہیں تعصب کی زنجیروں میں جکڑ رہی ہے۔ اس کے کئی ایک شواہد موجود ہیں، یہاں ہم حکومت کی چند جانب دارانہ ومتعصّبانہ کاروائیوں اور ملک میں عدم تحفظ وغیر مساوات کے واقعات کو پیش کر رہے ہیں، جن سے اندازہ لگانا آسان ہوجائے گا کہ ملک میں مسلمانوں کے لیے کس قدر عرصۂ حیات تنگ کیا جا رہا ہے۔

● ملک کی موجودہ سنگین صورتِ حال اور عدم تحفظ جیسے واقعات سے متأثر ہوکر سابق نائبِ صدر جمہوریہ عزت مآب ڈاکٹر حامد انصاری صاحب کو اپنی الوداعی تقریب میں یہ کہنا پڑا تھا کہ ''ملک کے مسلمانوں میں بے چینی اور عدم تحفظ کا احساس جاگزیں ہے'' انہوں نے عدمِ برداشت کا مسئلہ وزیر اعظم اور ان کی کابینہ کے ساتھیوں کے سامنے بھی اٹھایا اور اپنے خدشات سے وزیر اعظم کو باخبر بھی کرایا۔

نائبِ صدر جمہوریہ ڈاکٹر حامد انصاری کے اِس اظہارِ تشویش پر حکومت کو تو چاہیے تھا کہ تحفظ ورواداری کا یقین دلاتی، لیکن چاروں طرف سے حامد انصاری پر بے جا تنقیدیں اور متعصّبانہ تبصرے ہونے لگے، میڈیا جس کا کام غیر جانب دارانہ طور پر خبروں کو نشر کرنا ہے، وہ بھی دس سال تک ملک وقوم کی خدمت کرنے والے حامد انصاری پر تیر ونشتر برسانے لگا۔ اس ملک کے حالات اس سے زیادہ اور کیا خراب ہو سکتے ہیں کہ جہاں کے نائبِ صدر جمہوریہ کو اقلیتوں کے عدمِ تحفظ اور عدم رواداری کو لے کر اظہارِ تشویش کرنا پڑے پھر ان کے اس اظہارِ تشویش پر ردِ عمل کا مظاہرہ کیا جائے۔ ان حالات کو دیکھ کر ایسا لگنے لگا ہے کہ آنے والے کچھ سالوں میں یہاں کے حالات ملک کے حق میں قدرے بہتر نہیں ہوں گے۔

● ملک میں تعصب کے واقعات کا اندازہ اس بات سے بھی بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ ۲۰۱۵ء میں بڑھتے ہوئے نسلی امتیازات اور عدم رواداری جیسے واقعات کے خلاف پرزور مظاہرہ کرتے ہوئے ملک کے ۴۶ نامور ادیبوں، شاعروں، فلم سازوں، آرٹسٹوں اور سائنس دانوں نے حکومتی ایوارڈ واپس کر دیا تھا، جن میں نند بھردواج، چندر شیکھر، کاشی ناتھ امبلگی، ویرا بھدریا کے نیلا اور منور رانا کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ حکومت کے لیے یہ کتنی شرم ناک بات ہے کہ ملک میں امن وامان بحال کرنے اور تعصب وعدم مساوات کی روک تھام کے لیے اہم شخصیات کو حکومتی ایوارڈ واپس کر کے پُر زور مہم چلانی پڑی۔

● تین طلاق کا مسئلہ جو کہ شرعی واسلامی ہے، وہ بھی تعصب ونفرت کی نذر ہوگیا۔ حکومت نے مسلم پرسنل لا میں بے جا مداخلت کر کے شریعتِ اسلامیہ کے خلاف ایک مہم چھیڑ رکھی تھی۔ ۲۲ راگست کو سپریم کورٹ نے تین طلاق کو غیر آئینی قرار دیا اور چھ ماہ کے لیے اس پر پابندی عائد کر کے حکومت کو قانون بنانے کی پیش کش کی۔ کتنا بڑا المیہ ہے کہ ملک میں اقلیتوں کی ہر چیز ارزاں ہوگئی ہے، ان کے شرعی واسلامی مسائل و معاملات کا تصفیہ وحل سپریم کورٹ کر رہی ہے، اور ان کے خانگی، عائلی اور شرعی مسائل پر حکومت کو قانون سازی کا حق دیا جا رہا ہے۔

● حال ہی میں صوبۂ اتر پردیش میں پندرہ اگست کے دن مدارس میں پرچم کشائی کرنے، ''جن گن من'' کا ترانا گانے اور اس کی وڈیوگرافی کر کے ڈی ایم آفس پہنچانے کا سخت تاکیدی حکم نافذ کیا گیا تھا۔ گویا کہ حکومت کو مسلمانوں کی حب الوطنی پر شک ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ حکومت بھی مسلمانوں اور مدارس کے ساتھ متعصّبانہ ومتنفرانہ رویہ اختیار کر رہی ہے۔ اسی طرح وندے ماترم گانے پر مسلمانوں کو مجبور کیا جا رہا ہے، مدرسوں اور اسکولوں میں اسے نافذ کرنے کی گھنونی سازشیں رچی جا رہی ہیں۔ اس طرح کے سینکڑوں واقعات ہیں، جنہیں بین الاقوامی میڈیا بھی رپورٹ کر رہا ہے، جس سے عالمی سطح پر ملک کی شبیہ داغدار ہو رہی ہے۔

● ۱۵ راگست کو یومِ آزادی کے موقع پر وزیر اعظم نے لال قلعے کی فصیل سے اپنی ۵۵ منٹ کی تقریر میں کہا کہ ''عقیدت کے نام پر تشدد برداشت نہیں کیا جائے گا'' اور ''ملک عقیدت کے نام پر تشدد

قبول نہیں کرسکتا، ذات پات اور فرقہ پرستی کا زہر ملک کا کبھی بھلا نہیں کرسکتا' وزیر اعظم کے یہ الفاظ سننے اور پڑھنے میں تو بہت اچھے اور اچھوتے لگ رہے ہیں لیکن حقیقت وواقعیت کی رو سے دیکھا جائے تو یہ عملاً کچھ بھی نہیں۔ وزیر اعظم کو تو مظلوموں کے انصاف اور ظالموں کو کیفر کردار تک پہنچانے کی بات کرنی چاہیے تھی۔ ملک سے عدمِ تحفظ ،عدمِ مساوات اور تعصب ونفرت کے گھٹا ٹوپ اندھیرے کو دور کرنے کی بات کرنی چاہیے تھی لیکن ہندوستان کے معتدل مزاج اور سنجیدہ پسند لوگوں پر ان تمام حساس مسائل پر پردہ ڈالنے سے یہ بات اچھی طرح ظاہر وعیاں ہوگئی کہ وزیر اعظم کی یہ تقریر آئندہ الیکشن کی ایک مشق تھی۔

● ایسے ہی ہمارے ملک کی بے لگام اور بدنام زمانہ میڈیا ہے، جسے جمہوریت کا چوتھا ستون قرار دیا گیا ہے جس کی ذمہ داری بلا تفریق مذہب وملت ملک کی عوام کی آواز بن کر اُن کے مسائل کو اٹھانا، حقائق کو پیش کرنا اور خبروں کو نشر کرنا ہے لیکن اقلیتوں کے حقوق کی بات ہو یا تشدد وعدم رواداری جیسے معاملات ہوں ملکی میڈیا انہیں نظر انداز کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتا ہے۔ میڈیا اینکرز کے سروں پر جوں تک نہیں رینگتی ہے۔

ہاں اگر اسلام یا مسلمانوں کے اندرونِ مسائل کی بات ہو تو میڈیا اُس میں بہت زیادہ دل چسپی دکھاتا ہے، یہاں تک کہ آسمان سر پر اٹھا لیتا ہے۔ ڈبیٹ پر ڈبیٹ کرائے جاتے ہیں اور کھلے عام اسلام اور اس کے اصول وقوانین کا مزاق اڑایا جاتا ہے۔ یقیناً ملک میں ایسے تشویش ناک حالات کے لیے حکومت کے ساتھ ساتھ میڈیا بھی برابر کا ذمہ دار ہے، جو حقائق سے چشم پوشی کرکے افواہوں کو دِکھاتا اور بتاتا ہے۔ ان تمام واقعات وحالات سے صاف طور پر پتہ چلتا ہے کہ ملک کس قدر سنگین صورتِ حال سے گزر رہا ہے، جہاں مسلمانوں اور ان کے مذہب پر حملے کیے جارہے ہیں۔ ایسے وقت میں بس اللہ ہی حامی وناصر ہے!

ایک ہنگامۂ محشر ہو تو اس کو بھولوں
سینکڑوں باتوں کا رہ رہ کے خیال آتا ہے

ملک میں اس طرح کی بڑھتی عدمِ رواداری اور عدمِ تحمل کے خلاف سنجیدہ حلقوں سے پُرزور آوازیں اٹھ رہی ہیں لیکن کیا اب بھی وقت نہیں آیا ہے کہ حکومت اور عوام دونوں باہم مل کر ملک سے نفرت وتعصب اور تشدد وفرقہ واریت کو ختم کریں اور یہاں پھر سے امن وآشتی کی فضا بحال کریں۔ یاد رکھیں کہ ملک کی تعمیر وترقی اور فلاح وبہبود کا راز تحمل ورواداری اور ایک دوسرے کو ساتھ لے کر چلنے میں مضمر ہے۔ فرقہ پرستی، مذہبی بغض وعناد اور نسلی امتیاز وتفریق سے اوپر اٹھ کر ایک دوسرے سے گلے ملنے میں اس کا تحفظ وبقا ہے اور تعلیم ومعیشت کو فروغ دینے اور غربت ومفلسی کو ختم کرنے ہی میں اس کی سب سے بڑی کامیابی ہے۔ یہ ملک اس وقت تک شاہ راہِ ترقی پر گامزن نہیں ہوسکتا، جب تک کہ انتہا پسند عناصر، شدت پسند نظریات اور نسلی امتیازات کو مکمل طور پر ختم نہ کردیا جائے۔

اخیر میں صرف اتنا عرض ہے کہ جس قوم نے اس ملک میں ہمیشہ امن وآشتی کو فروغ دیا، گنگا جمنی تہذیب کو بے انتہا پروان چڑھایا، یہاں تک کہ پوری دنیا میں اسے معزز اور قابلِ فخر مقام دلانے میں ایک اہم اور بنیادی کردار ادا کیا، آج انہی کی وطن پرستی پر سوالیہ نشان داغہ جارہا ہے، ان کے لیے'' ملک دشمن'' اور'' غدارِ وطن'' جیسے جملوں کا استعمال کیا جارہا ہے۔ حالاں کہ مسلمان ہی ہیں جو اصل میں اس ملک کے وفادار ہیں، تحریکِ آزادی سے لے کر ملک کی آزادی تک مسلمانوں نے اپنے تن من دھن کی بازی لگا کر اس کو آزاد کرایا ہے، اس کی آزادی کی خاطر جتنا خون ولہو مسلمانوں کا بہا ہے، اتنا کسی کا نہیں بہا ہے۔ وہ ہمیشہ ملک میں سبھی کے ساتھ رواداری اور بھائی چارگی کے ساتھ پیش آئے ہیں۔

ایسے انسانیت سوز اور تعصب زدہ حالات میں مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنی صفوں میں اتحاد ویگانگت اور اخوت وبھائی چارگی کا ماحول بنا کر رکھیں، اسلامی اصول واحکام پر کاربند رہیں، اسوۂ نبوی ﷺ اور اسلاف واکابر کے طریقۂ کار کو اپنائیں اور دنیا کو اپنے پُرامن اور اعتدال پسند قوم ہونے کا پیغام دیں۔

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی جان، مال، عزت وآبرو اور ایمان وعقیدے کی حفاظت وصیانت فرمائے۔

☆☆☆

☆ مدیر اعلیٰ ماہ نامہ انوارِ ہاشمی، بیجاپور، کرناٹک
9764786288

مشائخ مارہرہ مطہرہ، علمائے بدایوں اور بریلی

علامہ یٰسٓ اختر مصباحی★

زیدی ساداتِ مارہرہ مطہرہ (موجودہ ضلع ایٹہ، اتر پردیش، انڈیا) اور مَسَوْلی شریف (اَوَدھ۔ موجودہ ضلع بارہ بنکی) کے مورثِ اعلیٰ، حضرت سید محمد، ملقّب بہ اَلدَّعْوَۃُ الصُّغْریٰ معروف بسید محمد صُغریٰ بلگرامی (بلگرام، اَوَدھ۔ موجودہ، ضلع ہردوئی۔ اتر پردیش) ہیں۔ آپ کی نسبتِ بیعت و اِرادت، قطب الاقطاب، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، چشتی، دہلوی سے ہے اور اِجازت وخلافت بھی، آپ ہی سے حاصل ہے۔

سلطان، شمس الدین التمش (تخت نشینی ۶۰۷ھ) کے عہد میں حضرت سید محمد صغریٰ نے ۶۱۴ھ میں بلگرام (سابق نام: سری نگر) فتح کر کے، وہیں اِقامت فرمائی جس کی تاریخ ''خداداد'' سے برآمد ہوتی ہے۔ حضرت سید محمد صغریٰ، بلگرامی (وصال شعبان ۶۴۵ھ۔ در بلگرام شریف) صاحبِ حال وقال بھی تھے اور صاحبِ سیف وسناں بھی تھے۔ آپ ہی کی ذُرِّیَّتِ طاہرہ میں، قطبِ فلکِ ولایت، مرکز دائرۂ ہدایت، حضرت میر سید عبد الواحد، بلگرامی (وصال رمضان ۱۰۱۷ھ/ ۱۶۰۸ء) مؤلف سَبْعِ سَنَابِل ہیں۔ آپ کی نسبتِ بیعت و اِرادت، حضرت مخدوم شاہ صفی الدین عبد الصَّمَد سائی پوری، معروف بہ مخدوم شاہ صفی، صفی پور شریف (وصال محرم ۹۳۳ھ۔ صفی پور۔ اَودھ۔ موجودہ ضلع اُنَّاؤ) خلیفۂ حضرت مخدوم سعد الدین، خیرآبادی (وصال ۹۲۲ھ۔ خیرآباد۔ اَوَدھ۔ موجودہ ضلع سیتاپور) خلیفۂ اَرشد، حضرت شاہ محمد مینا لکھنوی (وصال ۸۸۴ھ) سے اور اجازت وخلافت، حضرت مخدوم شیخ حسین (سکندرآبادی۔ وصال ۹۷۸ھ) خلیفۂ شیخ صفی الدین عبد الصَّمَد، عُرف مخدوم شاہ صفی سے ہے۔

حضرت سید غلام علی، آزاد بلگرامی (ولادت صفر، ۱۱۱۶ھ بلگرام۔ وصال ذو القعدہ ۱۲۰۰ھ خلد آباد، دَکن) نے حضرت میر سید عبد الواحد، بلگرامی (وصال رمضان ۱۰۱۷ھ/ ۱۶۰۸ء۔ بلگرام) کی مشہورِ اَنام ومقبولِ خاص وعام کتابِ مستطاب سَبْعِ سَنَابِل شریف کی مقبولیت کا ایک ایمان افروز واقعہ، تحریر کیا ہے کہ رمضانُ المبارک ۱۱۳۵ھ میں حضرت شاہ کلیم اللہ، چشتی، جہان آبادی کی، مَیں نے جہان آباد (دہلی) میں زیارت کی۔ گفتگو کے دَوران، میر عبد الواحد کا ذکر، نکل آیا۔ شاہ کلیم اللہ، جہان آبادی نے دیر تک، آپ کے فضائل ومناقب، بیان کیے اور اپنا، یہ واقعہ سنایا کہ مدینہ طیبہ میں ایک بار بسترِ خواب پر لیٹا ہوا بحالتِ ہوش وحواس، دیکھتا ہوں کہ میں اور سید صبغۃ اللہ بروجی (بھڑوجی، گجراتی) ایک ساتھ، بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے۔ اس مجلسِ مبارک میں صحابۂ کرام اور اَولیاے عظام، آپ کے گرد، جمع ہیں۔ انھیں حاضرین میں سے ایک صاحب کے ساتھ، حضورِ اَکرم ﷺ کمالِ اِلتفات سے مسکراتے ہوئے شیریں لب و لہجے میں کچھ، ارشاد فرما رہے ہیں۔ اِختتامِ مجلس کے بعد، میں نے سید صبغۃ اللہ سے پوچھا کہ یہ کون صاحب ہیں جن پر حضورِ اکرم ﷺ کی، یہ خصوصی توجہ اور کرم فرمائی ہے؟ سید صبغۃ اللہ بروجی (بھڑوچی، گجراتی) نے فرمایا: یہ، میر سید عبد الواحد، بلگرامی ہیں اور اِس اِعزاز و اِکرام کا سبب، یہ ہے کہ آپ کی تالیفِ مُنیف، سَبْعِ سَنَابِل بارگاہِ رسالت میں شرفِ قبول سے سرفراز ہو چکی ہے۔''

(ملخصاً۔ از مَآثِرُ الْکِرَام۔ مؤلّفہ سید غلام علی، آزاد بلگرامی)

حضرت میر سید عبد الواحد بلگرامی کے فرزندِ جلیل ہیں: حضرت میر سید عبد الجلیل، بلگرامی، مارہروی (ولادت رجب ۲۰/ رجب ۹۷۲ھ/ ۱۵۶۵ء۔ بلگرام۔ وصال ۸/ صفر ۱۰۵۷ھ/ ۱۶۴۷ء۔ مارہرہ مطہَّرہ) میر سید عبد الجلیل، حالت جَذْب میں سالہا سال تک، جنگل و بیابان میں گھومتے پھرتے ۱۰۱۷ھ میں مارہرہ پہنچے کہ غیب سے آپ کو یہاں کی ولایت، عطا ہوئی تھی۔ حضرت میر سید عبد الجلیل، بلگرامی (وصال صفر ۱۰۵۷ھ/ ۱۶۴۷ء۔ مارہرہ مطہَّرہ) کے فرزند وخلفُ الصِّدق، حضرت سید شاہ اُوَیس، بلگرامی (وصال ۲۰/ رجب ۱۰۹۷ھ/ ۱۶۸۶ء۔ مدفون بلگرام) ہیں۔ حضرت سید شاہ اُویس

بلگرامی کی ذُرِّیَّتِ طاہرہ، سرزمینِ مارہرہ میں مستقل طور سے قیام پذیر ہوئی اور جلیل القدر اَولیا واَقطاب کے وجودِ مسعود سے، یہ مقدس سرزمین، شرف یاب ہوئی اور پھر، یہ مارہرہ مطہَّرہ، سارے خطّۂ ہند میں فیض بار، مُشک بار ہوا۔ تاج العلماء، سید شاہ اولادِ رسول محمد میاں، مارہروی (وصال ۱۳۷۵ھ) حضرت سید اُوَیس، بلگرامی، قُدِّسَ سِرُّہٗ کے تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت، اپنے وقت میں مَرجِعِ اَنام تھے۔ خُدَّام ومُتوسِّلین کا دائرہ، بہت وسیع تھا۔ مارہرہ اور اس کے اَطراف و جوانب کے بہت سے عمائد وشُرَفا، عوام وخواص، حضرت کے زُمرَۂ متوسِّلین میں شامل اور ایک عالَم، سِلکِ غلامی و بیعت میں داخل تھا۔'' اِلیٰ آخِرِہٖ (ص ۵۲۳۔ اَصَحُّ التَّوَارِیخ، حصہ دوم۔ مؤلّفہ تاج العلماء، سید محمد میاں مارہروی۔ برکاتی پبلشرز کراچی۔ طبعِ اول، فروری ۱۹۸۸ء)

اِسی شجرۂ طوبیٰ کی ایک شاخِ ثمر بار، صاحبُ البرکات، حضرت سید شاہ برکت اللہ، قادری (بن سید اُویس بن سید عبدالجلیل بن سید میر عبدالواحد، بلگرامی) کی شکل میں نمودار ہوئی جس کے سایۂ رحمت وبرکت میں ''قادری برکاتی کارواں'' متحدہ ہندوستان کے طول وعَرض کو اپنی برکت ونعمت سے نہال و مالامال کرتا ہوا، ہر خطۂ ہندو پاک میں اب تک، اپنی ''سُنِّیت وحنفیت وقادریت'' کا پرچم لہراتا چلا آرہا ہے۔ مولانا طفیل احمد، متولی صدیقی، قادری برکاتی نوری، بدایونی (متوفی ۱۹۴۴ء) لکھتے ہیں:

مَآثِرُالْکِرَام تارِیخِ بِلگرام میں درج ہے کہ حضرت صاحبُ البرکات قُدِّسَ سِرُّہٗ نے اپنے والد بزرگوار سے تمام علومِ ظاہری وباطنی کی تکمیل کی اور شرفِ بیعت بھی والد بزرگوار سے حاصل کیا اور مثالِ خلافت پائی۔ حضرت کے والد ماجد نے آپ کو تمام سَلاسِلِ خاندانی میں بیعت لینے کی اجازت، عطا فرمائی تھی۔ اس کے بعد، صاحبُ البرکات قُدِّسَ سِرُّہٗ نے حضرت سید مزکی بن سید عبد النبی بن سید طیب بن حضرت سید عبدالواحد بلگرامی قُدِّسَ سِرُّہٗ سے بھی مثالِ خلافت، حاصل کی۔ اس کے بعد، کچھ تعلیم روحانی، سید غلام مصطفی فیروز، رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ سے پائی اور بعدہٗ حضرت سید العارِفین، میر شاہ لطف اللہ، عُرف شاہ لَدَّھا صاحب، احمدی، قادری بلگرامی قُدِّسَ سِرُّہٗ سے خاندانِ قادریہ کی خلافت، حاصل کی اور اِن بزرگوں کی، سالہا سال خدمت کر کے، تمام مقاماتِ سلوک کو طے کیا۔

لیکن اِس قدر فیوض و برکاتِ دینی و دنیاوی، حاصل کرنے پر بھی آپ کی سَیری، نہ ہوئی اور دارُالوِلایۃ، کالپی میں پہنچ کر، مخدوم زادۂ عالی جناب، حضرت سید شاہ فضل اللہ صاحب بن حضرت سید احمد صاحب، قادری، کالپوی کی قدم بوسی، حاصل کی اور ان کی خدمت میں اِلتماس کیا کہ حضور بھی تبرکاً، مثالِ خلافت اور اِجازت، بیعتِ سلاسلِ خمسہ کی، مرحمت فرمادیں۔ اُس وقت، حضرت مخدوم زادہ (سید شاہ فضل اللہ، قادری) صاحب نے کمالِ مہربانی وشفقت اور عنایت کے ساتھ، مثالِ خلافت، سلاسِلِ خمسہ کی، عطا فرمائی۔

''آئینِ احمدی'' میں لکھا ہے کہ جس وقت، حضرت پیر برکات صاحب قُدِّسَ سِرُّہٗ، کالپی شریف پہنچے، حضرت مخدوم زادہ، سید شاہ فضل اللہ صاحب، قادری قُدِّسَ سِرُّہٗ نے اُٹھ کر معانقہ کیا اور اپنے کلیجے سے لپٹا کر تین مرتبہ فرمایا ''دریا بہ دریا پیوست'' حضرت کے اِس کلمے نے جس قدر مقامات، حضرت صاحبُ البرکات قُدِّسَ سِرُّہٗ کو طے کرادیے، اس کی نسبت، حضرت صاحبُ البرکات کا خود، مقولہ ہے کہ ''مَیں اس کا بیان، نہیں کرسکتا۔''

پھر حضرت مخدوم زادۂ والاتبار (حضرت سید شاہ فضل اللہ، کالپوی) نے حضرت پیر برکات صاحب کو بڑے اِعزاز واِکرام کے ساتھ، رخصت کیا۔ حضرت مخدوم زادہ، سید شاہ فضل اللہ صاحب، بیٹے حضرت سید احمد کے اور حضرت سید محمد کالپوی کے، پوتے ہیں۔ مزار، ہرسہ حضرات کے، کالپی شریف میں ہیں جو ضلع جالون کا ایک حصہ ہے۔'' (ص ۳۲ وص ۳۳ ''برکاتِ مارہرہ'' مؤلَّفہ مولانا طفیل احمد، متولی صدیقی بدایونی۔ طبع جدید تاج الفُحول اکیڈمی، بدایوں۔ ۱۴۳۵ھ/ ۲۰۱۳ء۔ طبع اول مطبع نول کشور، لکھنؤ۔ ۱۹۱۳ء)

حضرت صاحبُ البرکات، مارہروی (ولادت ۱۰۷۰ھ/ ۶۰۔۱۶۵۹ء۔ بلگرام۔ وصال، عاشورۂ محرمُ الحرام ۱۱۴۲ھ/ ۱۷۲۹ء۔ مارہرہ مطہَّرہ) نے بلگرام شریف میں تمام مقاماتِ سلوک طے کیے اور ۱۱۱۱ھ/ ۱۷۰۰ء میں مارہرہ شریف، تشریف لاکر جدِّ بزرگوار، حضرت سید شاہ عبدالجلیل بلگرامی کی درگاہ میں مقیم ہوئے۔ ''ایک دن، حضرت صاحبُ البرکات قُدِّسَ سِرُّہٗ نے چشم سر سے، زیارت، حضور رسولِ مقبول ﷺ اور حضرت غوثِ پاک قُدِّسَ سِرُّہٗ کی، کی۔

انھوں نے، وہ جگہ دِکھلائی، جہاں اب، درگاہِ برکاتیہ، موجود ہے اور ارشاد فرمایا کہ ''تم اِس جگہ مستقل سکونت، اختیار کرو۔''

(ص ۳۵۔ ''برکاتِ مارہرہ'')

۔۔''رفتہ رفتہ، حضرت (صاحبُ البرکات) نے اپنے اہل و عیال کو بھی بلگرام سے بلا لیا۔ حضرت کو وہاں، مقیم دیکھ کر اور حضرت کے جِوار کو موجبِ برکت، خیال کر کے، پھر دوسرے عقیدت مندوں نے بھی اس جگہ مکان بنانا اور سکونت، اِختیار کرنا، شروع کی۔ ۱۱۱۸ھ/ ۰۷۔۱۷۰۶ء میں حضرت کی خانقاہ کے اِردگرد، ایک خاصی بستی، نظر آنے لگی۔'' (ص ۳۶۔ ''برکاتِ مارہرہ'' مطبوعہ تاج الفحول اکیڈمی، بدایوں ۲۰۱۳ء)

فَصُّ الْکَلِمَات میں درج ہے کہ ایک رات، حضرت صاحب البرکات قُدِّسَ سِرُّہٗ کو چشمِ سر سے حضور غوثِ پاک کی زیارت، نصیب ہوئی۔ اُس وقت، حضور محبوبِ سبحانی قُدِّسَ سِرُّہٗ نے حضرت پیر برکات صاحب کو بشارت دی کہ ''تم، پشتہا پشت کے لئے مارہرہ کے قُطب کیے گئے۔ جلد، اپنے کسی مُرید کو کلیر شریف، روانہ کرو تا کہ تم کو، اس ولایت اور قطبیت کی سند، مع خلعتِ سرفرازی کے، دی جائے۔'' الخ (ص ۳۶ ''برکاتِ مارہرہ'' مطبوعہ تاج الفحول اکیڈمی۔ بدایوں)

''اِس واقعہ کے بعد، حضرت پیر برکات صاحب قُدِّسَ سِرُّہٗ نے شاہ محمد وَاصل، یا شاہ محمد رہبر، یا دونوں حضرات کو بایمائے حضرت غوث پاک، کلیر شریف کو روانہ کیا اور ہدایت کر دی کہ ''اگر، اِس سفر میں تم کو، کوئی صاحب، تحفہ دیں تو لیتے آنا۔''

غرض کہ، وہ صاحب، جو مامور کیے گئے تھے، کلیر شریف کو روانہ ہوئے۔ اَثنائے راہ، واپسی میں ایک بزرگ درویش، ایک کھیت میں نمودار ہوئے اور ان سے مُلاقی ہو کر دریافت کیا کہ ''کیا تم، پیر برکات مارہروی کے مُرید ہو اور مارہرہ جاتے ہو؟'' انھوں نے کہا: ہاں! تب، اُن درویش صاحب نے سات دانے، جن میں بعض عقیق کے، بعض شیشے کے، بعض لکڑی کے تھے اور ایک دستار، گزی کی، ان کو عطا فرمائی اور فرمایا:

اپنے پیر کو ہمارا سلام پہنچا کر، یہ تحائف، ان کی خدمت میں پیش کر دینا اور کہہ دینا ''برکات، مارہرہ والا، یہی پیام، یہی رسالہ۔''

یہ فرما کر، غائب ہو گئے۔ جب، وہ دونوں حضرات، مارہرہ پہنچے اور یہ پیام اور وہ تحائف، حضرت قُدِّسَ سِرُّہٗ کی خدمت میں پیش کیے۔ آپ نے اس نعمت کے ملنے پر بے حد خوشی فرمائی اور فرمایا کہ جن بزرگ کی معرفت، حضرت غوثِ پاک قُدِّسَ سِرُّہٗ نے یہ تحائف مجھ کو عطا فرمائے، وہ، حضرت بوعلی شاہ قلندر تھے اور یہ بھی فرمایا کہ یہ سات (۷) دانے جو عنایت ہوئے ہیں، یہ رمز ہے اِس کا کہ میری اولاد میں، سات (۷) پُشت تک، بڑے بڑے صاحبِ نسبت اور صاحبِ تصرُّف اور صاحبِ باطن، پیدا ہوں گے۔'' سو، بِفَضْلِهٖ تَعَالٰی، حضرت کے فرمانے کے بموجب ہوا۔ اور آئندہ ہوگا۔'' الخ

(ص ۳۶ و ص ۳۷ ''برکاتِ مارہرہ'' مؤلَّفہ مولانا طفیل احمد، متولی صدیقی بدایونی۔ طبع جدید تاج الفحول اکیڈمی، بدایوں ۱۴۳۵ھ / ۲۰۱۳ء۔ طبع اول مطبع نول کشور، لکھنؤ ۱۹۱۳ء)

صاحبُ البرکات، حضرت سید شاہ برکت اللہ، قادری، مارہروی (وصال عاشورۂ محرمُ الحرام ۱۱۴۲ھ/ ۱۷۰۰ء۔ مارہرہ مطہَّرہ) کے فرزند و خَلَفُ الصِّدق، حضرت سید شاہ آلِ محمد، قادری برکاتی، مارہروی (ولادت ۱۱۱۱ھ/ ۱۷۰۰ء بلگرام۔ وصال ۱۵/ رمضان ۱۱۶۴ھ/ ۱۷۵۱ء۔ مارہرہ مطہَّرہ) اور سید شاہ آلِ محمد، مارہروی کے فرزند و خلف الصدق، حضرت سید شاہ حمزہ، عینیؔ، مارہروی (ولادت ۱۴/ ربیعُ الآخِر ۱۱۳۱ھ/ ۱۷۱۹ء۔ مارہرہ مطہَّرہ۔ وصال ۱۴/ محرمُ الحرام ۱۱۹۸ھ/ ۱۷۸۳ء۔ مارہرہ مطہَّرہ) ہیں۔

شمسِ العارِفین، ابو الفضل، سید شاہ آلِ احمد، اچھے میاں، قادری برکاتی، مارہروی (ولادت ۱۸/ رمضان المبارک ۱۱۶۰ھ/ ۱۷۴۷ء۔ مارہرہ مطہَّرہ۔ وصال ۱۷/ ربیع الاوَّل ۱۲۳۵ھ/ جنوری ۱۸۲۰ء۔ مارہرہ مطہَّرہ) حضرت سید شاہ حمزہ، عینیؔ، مارہروی کے فرزند و خَلَفُ الصِّدق ہیں۔

شمسِ مارہرہ، حضرت اچھے میاں، مارہروی اور آپ کے برادر زادہ، خاتم الاکابِر، سید شاہ آلِ رسول، احمدی، مارہروی، فرزند حضرت سید شاہ آلِ برکات، ستھرے میاں، قادری برکاتی، مارہروی، اور خاتم الاکابِر، مارہروی کے اِبنُ الابن (پوتے) نورُ العارفین، سید شاہ ابو الحسین احمد، نوری، مارہروی، فرزند حضرت سید شاہ ظہور حسن، مارہروی (فرزند اکبر، حضرت خاتم الاکابِر، مارہروی) کے دَور میں سلسلۂ عالیہ،

قادریہ برکاتیہ، کوعلماوفُضَلا اورخواص عوام کے درمیان بے پناہ عزت و مقبولیت وشہرت کے ساتھ، اسے کافی فروغ، حاصل ہوا۔ مُدّتِ مدید سے سرزمینِ شمالی ہند کے دوخوش نصیب شہر، بدایوں اور بریلی، سلسلۂ عالیہ، قادریہ برکاتیہ، مارہرہ کے ''وکیلِ قادریت'' کی حیثیت سے ملک و بیرونِ ملک، نہایت وسیع پیمانے پر قادری برکاتی فیضان، تقسیم کررہے ہیں اور سوادِاعظم اہلِ سنّت و جماعت کو اِس سلسلۃ الذھب سے وابستہ ومنسلک کرکے دارَین کی سعادت وفلاح سے اُنھیں بہرہ وَر اور فائزُ المرام، فرمارہے ہیں۔

متحدہ ہندوستان کے عظیم وقدیم، قادری مرکزِ روحانیت، خانقاہِ عالیہ قادریہ برکاتیہ، مارہرہ مطہَّرہ (ضلع ایٹہ، اتر پردیش) سے شہر بدایوں کا رشتہ، صدیوں، پُرانا ہے۔ خانوادۂ عثمانیہ، بدایوں کے عظیم المرتبت عالم، حضرت مولانا مفتی عبدالغنی، عثمانی، بدایونی (وصال، رمضان ۱۱۹۰ھ/اپریل ۱۷۹۵ء) فرزند جلیل، حضرت مفتی درویش محمد، عثمانی، بدایونی (وصال، محرمُ الحرام ۱۱۸۳ھ/مئی ۱۷۶۹ء) ایک عارف باللہ، حضرت مولانا سید محمد سعید جعفری بدایونی (وصال، جمادیٰ الاولیٰ ۱۱۶۲ھ/اپریل ۱۷۵۰ء) سے نسبتِ بیعت و اِرادت رکھتے تھے اوران سے روحانی فیوض وبرکات، حاصل کیا کرتے تھے۔

مفتی عبدالغنی، عثمانی، بدایونی کے تذکرہ میں مولانا محمد یعقوب حسین، ضیاءُ القادری، بدایونی (متولد، رجب ۱۳۰۰ھ جون ۱۸۸۳ء بدایوں۔ متوفی جمادیٰ الآخرہ ۱۳۹۰ھ/ اگست ۱۹۷۰ء۔ کراچی) لکھتے ہیں ''غرض، آپ کی باطنی نسبت، نہایت زبردست تھی۔ حضرت اچھے میاں صاحب، رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ کو، اپنے پیر کے وصال کے بعد، اپنا مقتدا سمجھتے تھے اور اکثر، حاضرِ خدمت ہوا کرتے تھے۔'' (ص ۵۵۔ اَکمَلُ التَّارِیخ حصہ اول۔ طبع جدید، رمضان ۱۴۳۴ھ/جولائی ۲۰۱۳ء۔ تاج الفحول اکیڈمی۔ بدایوں۔ طبع اول، جمادیٰ الاولیٰ ۱۳۳۴ھ/مارچ ۱۹۱۶ء بدایوں)

''شمس مارہرہ، ابوالفضل، سید شاہ آلِ احمد، اچھے میاں، قادری برکاتی، مارہروی (وصال، ربیع الاوّل ۱۲۳۵ھ/جنوری ۱۸۲۰ء) کے تعارُف (در ''مدائحِ حضورِنور'' ۱۳۳۳ھ۔ معروف، بہ ''تذکرۂ نوری'') میں مولانا غلام شبّر، صدیقی، قادری برکاتی، بدایونی (متوفی ۱۳۴۶ھ/۱۹۲۷ء) لکھتے ہیں:

''عام مخلوق پرنظرِ مہربانی وکرم تھی لیکن خُدّام ومُریدین، پھراُن میں خُدَّام سُکنائے بدایوں پر، نوازشِ خاص تھی۔ ارشاد فرماتے: بدایوں، ہماری جاگیر ہے۔ یہ حضورِغوثیت سے ہم کوعطا ہوا ہے۔'' خُدَّام میں بھی سُکنائے بدایوں، ایک اِمتیازی شان رکھتے تھے۔ خلفا میں بھی سرخیلِ جماعت، حضراتِ بدایوں تھے۔''

(ص ۸۹ ''تذکرۂ نوری'' مؤلّفہ: مولانا غلام شبَّر، صدیقی، قادری برکاتی، بدایونی۔ طبع جدید، رجب ۱۴۳۴ھ/ مئی ۲۰۱۳ء۔ تاج الفحول اکیڈمی، بدایوں۔ تالیفِ کتاب، در ۳۴۔۱۳۳۳ھ۔ طبعِ اول، امیرالاقبال پریس، بدایوں)

شمس مارہرہ، حضرت اچھے میاں، قادری برکاتی، مارہروی کے مشہور خلفائے بدایوں میں مندرجہ ذیل حضرات کے نام، نمایاں ہیں:

مولانا شاہ عبدالحمید عثمانی بدایونی، مولانا شاہ عین الحق عبدالمجید عثمانی بدایونی، مولانا شاہ ریاض الدین سہسوانی بدایونی، مولانا فخرالدین عثمانی بدایونی، مولانا ذِکراللہ شاہ فرشوری بدایونی، مولانا غلام جیلانی عثمانی بدایونی، مولانا ابوالحسن عثمانی بدایونی ثمَّ بریلوی، مولانا حبیبُ اللہ عباسی بدایونی، مولانا محمد بہاءُ الحق عباسی بدایونی، شاہ غلام غوث بدایونی، میاں حبیب اللہ شاہ بدایونی، مولانا محمد نظام الدین عباسی، بدایونی، مولانا شاہ سلامتُ اللہ صدیقی، کشفی، بدایونی، مولانا محمد افضل صدیقی بدایونی، مولانا محمد اعظم سہسوانی بدایونی، میاں جی عبدالملک انصاری بدایونی، قاضی ظہیرالدین صدیقی بدایونی، مولانا عبدالعلی فرشوری بدایونی، میاں جی شہاب الدین ککرالوی بدایونی، مولانا عبادتُ اللہ صدیقی بدایونی، شیخ بارک اللہ صدیقی بدایونی، مولانا منشی ذوالفقارالدین بدایونی، شیخ مبارزالدین بدایونی، قاضی محمد عبدالسلام عباسی بدایونی، قاضی امام بخش صدیقی بدایونی، میاں عبداللہ صحرائی بدایونی، مولانا نصیر الدین عثمانی بدایونی۔ وغیرھُم رِضْوَانُ اللہِ تَعالیٰ عَلَیْہِم اَجمَعِیْن

(انتخاب۔ از ص ۹۷ تا ص ۹۹ ''تذکرۂ نوری'' مؤلّفہ: غلام شبَّر صدیقی قادری برکاتی بدایونی۔ طبع جدید۔ رجب ۱۴۳۴ھ/مئی ۲۰۱۳ء۔ تاج الفحول اکیڈمی بدایوں)

خلیفۂ سوم، حضرت عثمان غنی، رَضِیَ اللہ تَعالیٰ عَنْہُ کی ذریت طاہرہ کے ایک فردِ فرید، حضرت قاضی دانیال قُطری نے

سلطان، شمس الدین اَلتمش (تخت نشینی ۶۰۷ھ) کی دعوت و التماس پر بدایوں کے قاضی کا منصب، سنبھالا۔ حضرت قاضی دانیال قطری کی نسبت بیعت و اِرادات، حضرت خواجہ عثمان ہارونی، مرشد حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رَضِیَ اللّٰہ تعالٰی عَنْہُم اَجْمَعِین سے تھی۔ خانوادۂ عثمانیہ، بدایوں کا نسبی رشتہ و تعلق، حضرت دانیال قطری سے ہی ہے۔

سرمَستِ بادۂ توحید، حضرت مولانا عبد الحمید، عثمانی قادری برکاتی، بدایونی (ولادت، جمادیٰ الاولیٰ ۱۱۵۲ھ/اگست ۱۷۳۹ء۔ وصال دوشنبہ، ۱۷/جمادیٰ الاولیٰ ۱۲۳۳ھ/مارچ ۱۸۱۸ء) (مُرید و خلیفۂ شمسِ مارہرہ، حضرت اچھے میاں، مارہروی) کے فرزند اکبر، حضرت مولانا شاہ عین الحق عبد المجید، عثمانی، قادری برکاتی، بدایونی (ولادت، رمضان ۱۱۷۷ھ/اپریل ۱۷۶۴ء۔ وصال محرمُ الحرام ۱۲۶۳ھ/جنوری ۱۸۴۷ء) حضرت شمسِ مارہرہ کے سب سے چہیتے خلیفہ تھے۔ حضرت اچھے میاں ماہروی کی آپ پر خصوصی توجہ اور نگاہِ کرم تھی۔ مولانا ضیاءُ القادری، بدایونی، بحوالہ ''آثارِ احمدی'' مؤلّفہ عنایت حسین زبیری، لکھتے ہیں:

''چنانچہ، اکثر جنابِ عالی، می فرمود کہ ''و ملازمِ آستانِ قُدسی گشت۔ جناب عالی باوَے نظر وعنایتِ خاص، وایشاں را بہ آں جناب، نسبتِ مخصوص، بل اَقویٰ بود۔ چنانچہ، اکثر جناب عالی، می فرمود کہ مولوی عبد المجید، بمقامِ ھَلْ مِنْ مَزِیْد است و ہمچو اُو تابعِ صادق و یارِ موافق نیست و بہ مفاوَضاتِ شریفہ، سرنامۂ نامش ''افضل العبید مولوی عبد المجید''، قلمی فرمود۔

ترجمہ: شمس مارہرہ کے آستانۂ قُدسی میں حاضریِ دَوامی، حاصل کی۔ شمس مارہرہ کی آپ پر، خاص نظر اور خاص عنایت تھی اور یہ بھی نسبتِ مخصوص بلکہ نسبتِ قوی، رکھتے تھے۔ چنانچہ، شمس مارہرہ، اکثر فرمایا کرتے تھے کہ مولوی عبد المجید، مقامِ ھَلْ مِنْ مَزِیْد۔ پر ہیں اور ان جیسا کوئی دوسرا، خادمِ صادق اور یارِ موافق نہیں۔ حضور شمس مارہرہ، اپنے مکتوبات میں اَفْضَلُ العَبِید مولوی عبدُ الْمَجِید۔ لکھ کر، آپ کو مخاطب فرماتے تھے۔''

(ص ۹۸ و ص ۹۹۔ اَکمل التاریخ، حصہ اول۔ مؤلّفہ: مولانا ضیاءالقادری، بدایونی۔ طبع جدید تاج الفحول اکیڈمی، بدایوں۔ رمضان ۱۴۳۴ھ/جولائی ۲۰۱۳ء)

''آپ کا ظاہری و باطنی کیف وسرور، دیکھ دیکھ کر حضورِ اقدس، حضرت اچھے میاں ارشاد فرماتے کہ ''درویش، باید کہ ظاہرش، چوں ابی حنیفہ باشد و باطنش، چوں منصور۔ و ایں معنیٰ، بجز مولوی عبد المجید، در دیگرے، نہ دیدہ ام۔

ترجمہ: درویش کو چاہیے کہ اُس کا ظاہر، امام ابوحنیفہ کی طرح ہو اور باطن میں منصور کی طرح اور یہ بات، میں نے سوائے مولوی عبد المجید کے، کسی دوسرے میں نہیں دیکھی۔'' (ص ۹۹۔ اکمل التاریخ، حصہ اول۔ مؤلّفہ مولانا ضیاء القادری، بدایونی)

''اکثر مریدانِ بااختصاص اور خُلَفاے خاص کے درمیان، ارشاد فرماتے کہ ''اگر، روزِ قیامت، خداوند کریم کی جناب سے سوال کیا گیا کہ ہماری بارگاہ کے لئے کیا تحفہ لائے ہو؟ تو مولوی عبد المجید کو پیش کر دوں گا۔'' (ص ۹۹۔ اکمل التاریخ، حصہ اول مؤلّفہ مولانا ضیاء اُلقادری، بدایونی۔ طبع جدید رمضان ۱۴۳۴ھ/جولائی ۲۰۱۳ء)

خاتم الاکابِر، حضرت سید شاہ آلِ رسول، احمدی، قادری برکاتی، مارہروی (وصال، ذوالحجہ ۱۲۹۶ھ/دسمبر ۱۸۷۹ء) نے اپنے دونوں صاحب زادگان، حضرت سید شاہ ظہور حسن، مارہروی اور حضرت سید شاہ ظہور حسین، مارہروی کو حضرت شاہ عین الحق عبد المجید عثمانی، بدایونی سے اجازت وخلافت، دِلائی تھی۔ مولانا غلام شبّر صدیقی، قادری برکاتی، بدایونی لکھتے ہیں:

''آپ کے خلف اکبر، حضرت سید شاہ ظہور حَسَن، رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ نے جب سلوک، ختم فرمالیا، آپ نے حکم دیا کہ تمہارے گھر کی بڑی دولت، مولانا عبد المجید صاحب، بدایونی (رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ) کے پاس ہے۔ جاؤ! اُن سے اپنا حصہ لاؤ۔ اور بدایوں کو، روانہ فرمایا۔''

(ص ۱۰۸ ''تذکرۂ نوری'' مطبوعہ تاج الفحول اکیڈمی، بدایوں۔ ۱۴۳۴ھ/ ۲۰۱۳ء)

''چھوٹے صاحب زادے، حضرت سید ظہور حسین، چھٹّو میاں، رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ فرماتے تھے کہ ''ایک روز مَیں، حضور والد ماجد (خاتم الاکابر مارہروی، رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ) کی خدمت میں حاضر ہوں۔ ارشاد فرمایا کہ ''ہمارا دل چاہتا تھا کہ تم کو، بھائی عبد المجید صاحب سے بھی اجازت لکھا دیتے۔ وہ، اِس گھر کے بڑے خزینہ دار

ہیں۔‘‘ (ص ۱۰۹، تذکرۂ نوری۔ مطبوعہ بدایوں۔ طبع جدید ۱۴۳۴ھ)

خانوادۂ عثمانیہ قادریہ، بدایوں کے شہرۂ آفاق اور جلیل القدر عالم، سیف اللہ المسلول، علامہ فضلِ رسول عثمانی قادری برکاتی بدایونی (وصال ۱۲۸۹ھ/ ۱۸۷۲ء) ہیں جن کے بارے میں مولانا محمد رضی الدین، بسملؔ صدیقی، بدایونی (متوفی ۱۳۴۳ھ/ ۱۹۲۵ء) لکھتے ہیں:

مِن جملہ، آپ کی تصنیفات کے، اَلْمُعْتَقَدُ الْمُنْتَقَد بزبانِ عربی، علمِ کلام میں اور کتابُ الصَّلوٰۃ بزبانِ عربی، علمِ فقہ میں اور ملخَّص شرحِ امام نووی، بزبانِ عربی، علمِ حدیث میں اور شرحِ فصوص الحکم، بزبانِ عربی، علمِ تصوف میں اور حاشیۂ میر زاہد رسالہ اور حاشیۂ میر زاہد مُلّا جلال وغیرہ بے نظیر ہیں۔

بالخصوص، رَدِّ وہابیہ میں جس قدر بلیغ کوشش، بہ حکمِ حضراتِ اَولیاے کرام، آپ نے فرمائی، وہ مخفی نہیں ہے۔ چنانچہ جب آپ، بمقام دہلی، روضۂ حضرت خواجۂ خواجگان، خواجہ قطبُ الدین بختیار کاکی رَحْمَۃُ اللہ عَلَیْہِ میں مزارِ مبارک پر مُراقِب تھے، عین مُراقَبہ میں آپ نے دیکھا کہ حضور جناب خواجہ صاحب، رونق افروز ہیں اور دونوں دستِ مبارک پر، اِس قدر کتب کا اَنبار ہے کہ آسمان کی طرف، حدِّ نظر تک، کتاب پر کتاب نظر آتی ہے۔ آپ نے عرض کیا کہ اِس قدر تکلیف، حضور نے کس لئے گوارا فرمائی ہے؟ ارشادِ مبارک ہوا کہ تم، یہ بار، اپنے ذِمّہ لے کر شیاطین وہابیہ کا قلع قمع کرو۔‘‘ بہ مجرد، اِس ارشاد کے، آپ نے مُراقَبے سے سر اٹھایا اور تعمیلِ ارشادِ والا ضروری خیال فرما کر اُسی ہفتے میں کتابِ مستطاب ’’بوارِقِ محمدیہ‘‘ تالیف فرمائی۔ اِس کے علاوہ کتاب، اِحْقاقُ الْحَق وَ اِبْطالُ الْباطِل، تَصْحِیحُ الْمَسَائِل، تَلْخِیصُ الْحَق، وغیرہ کتب و رسائل، اردو، فارسی اور عربی میں بہ کثرت، مشہور و معروف ہیں۔ (ص ۲۷۵ و ص ۲۷۶ ’’تذکرۃُ الواصلین‘‘ مؤلّفہ محمد رضی الدین بسملؔ بدایونی۔ طبع جدید، تاج الفحول اکیڈمی، بدایوں۔ محرم ۱۴۳۷ھ/ اکتوبر ۲۰۱۵ء)

حضرت سیف اللہ المسلول، علاّمہ فضلِ رسول بدایونی، اپنے والد ماجد، حضرت مولانا شاہ عین الحق عبد المجید، عثمانی، قادری برکاتی، بدایونی (وصال، محرمُ الحرام ۱۲۶۳ھ/ جنوری ۱۸۴۷ء) کے مُرید وخلیفہ ہیں اور محبِّ رسول، تاج الفحول، مولانا شاہ عبد القادر عثمانی قادری برکاتی بدایونی (وصال ۱۳۱۹ھ/ ۱۹۰۱ء) اپنے والد ماجد، حضرت سیف اللہِ المسلول، بدایونی کے مُرید وخلیفہ ہیں۔

عام طور سے ایسا ہوتا کہ شہزادِگانِ مارہرہ مطہَّرہ، خانوادۂ عثمانیہ، بدایوں کے مدرسہ قادریہ میں تعلیم حاصل کر کے علومِ ظاہری سے آراستہ ہوا کرتے تھے اور خانوادۂ عثمانیہ، بدایوں کے افراد، عموماً مشائخِ مارہرہ مطہَّرہ کے دست گرفتہ ہو کر، سعادتِ باطنی سے سرفراز ہوا کرتے تھے۔ حضرت خاتم الاکابِر، مارہروی نے ابتدائی اور متوسِّط تعلیم، حضرت مولانا شاہ عین الحق عبد المجید عثمانی، بدایونی اور حضرت مولانا شاہ سلامتُ اللہ، صدیقی، کشفیؔ، بدایونی، خُلَفاے حضرت اچھے میاں، مارہروی سے حاصل کی تھی۔

خاتم الاکابِر، حضرت سید شاہ آلِ رسول، احمدی، مارہروی (وصال، ذوالحجہ ۱۲۹۶ھ/ دسمبر ۱۸۷۹ء) کی، تاجُ الفحول مولانا عبد القادر، بدایونی (وصال، جمادیٰ الاولیٰ ۱۳۱۹ھ/ ستمبر ۱۹۰۱ء) پر خاص نگاہِ کرم تھی۔ آپ نے ایک بار، اپنے اِبنُ الِابن (پوتے) نورُ العارِفین، سید شاہ ابو الحسین احمد نوری، مارہری (وصال رجب ۱۳۲۴ھ/ ۱۹۰۶ء) سے ارشاد فرمایا ’’برخوردار، مولوی عبد القادر، نبیرۂ مولانا عبد المجید، رَحْمَۃُ اللہ عَلَیْہِمَا کا علم، تازہ ہے اور حاضر ہے۔ وہ، ہمارا، خاص گھر ہے اور ہم کو، برخوردار موصوف کی دیانت و تقویٰ پر، پورا اِطمینان ہے۔ تم، مسائلِ کلام وفقہ میں اِن سے مشورہ کر لیا کرو۔‘‘ (ص ۱۰۹۔ تذکرۂ نوری۔ مطبوعہ تاجُ الفُحول اکیڈمی، بدایوں۔ ۱۴۳۴ھ/ ۲۰۱۳ء)

نورُ العارِفین، حضرت نوری میاں، مارہری ارشاد فرماتے ہیں ’’ہمارے دَور میں سُنّیت کی شناخت، محبتِ مولانا عبد القادر (بدایونی) رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ ہے۔‘‘

(ص ۲۱۳۔ تذکرۂ نوری۔ مؤلّفہ: غلام شبّر صدیقی، قادری برکاتی، بدایونی۔ طبع جدید۔ رجب ۱۴۳۴ھ/ مئی ۲۰۱۳ء)

محبِّ رسول، تاج الفحول، حضرت مولانا عبد القادر، عثمانی، قادری برکاتی، بدایونی ہی کی وہ عظیم اور بابرکت ذاتِ گرامی ہے جس نے خانوادۂ رضویہ، بریلی کو خاتم الاکابِر، سید شاہ آلِ رسول، احمدی، مارہروی کی بارگاہ تک پہنچایا۔ اور خانوادۂ عثمانیہ، بدایوں کی طرح، خانوادۂ رضویہ، بریلی بھی سلسلۃُ الذَّھَب، سلسلۂ عالیہ، قادریہ برکاتیہ سے منسلک و مربوط ہو گیا۔ امام احمد رضا، قادری برکاتی، بریلوی

،ارشادفرماتے ہیں:

''میں، روتا ہوا دوپہر کو سوگیا۔ دیکھا کہ حضرت جدِّ اَمجد (حضرت مولانا مفتی رضا علی ، بریلوی) رَضِیَ اللّٰہ تَعَالٰی عَنْہُ تشریف لائے اور ایک صندوقچی عطافرمائی اور فرمایا: عنقریب، آنے والا ہے وہ شخص جو تمہارے دردِ دل کی دوا کرے گا۔'' دوسرے ، یا تیسرے روز، حضرت مولانا عبدالقادر صاحب، رَحْمَۃُ اللّٰہ عَلَیْہِ بدایوں سے تشریف لائے اور اپنے ساتھ، مارہرہ تشریف لے گئے۔ وہاں جاکر شرفِ بیعت ،حاصل کیا۔''(ص ۶۳۔ الملفوظ ،حصہ سوم۔رضا اکیڈمی،بمبئی)

جس کے بعد، مارہرہ شریف کے دربارِ قادریت کے، یہ دونوں خانوادے ،سب سے زیادہ مستند ومقرَّب ،قادری نمائندے اور سلسلۂ قادریہ برکاتیہ کی وکالتِ بافیض کے ،قادری وکیل بن گئے۔

''حضرت سید شاہ اسمٰعیل حسن صاحب، مارہروی فرماتے ہیں کہ مولانا بدایونی (حضرت علّامہ تاجُ الفُحُول عَلَیہِ الرَّحمَہ) کے ہمراہ ،مولانا نقی علی خاں صاحب اور مولانا احمد رضا خاں صاحب، مارہرہ شریف، حاضر ہوئے تھے۔۔۔فقیر کے والد ماجد، حضرت سید شاہ محمد صادق صاحب اور حضرت سید شاہ ابو الحسین احمد، نوری میاں صاحب، قُدِّسَ سِرُّھُمَا بھی ان دِنوں، مارہرہ ہی میں تشریف فرما تھے۔اسی دن،ظہر کے وقت،مولانا بدایونی، مولانا نقی علی خاں صاحب اور مولانا احمد رضا خاں صاحب اور مرزا غلام قادر بیگ صاحب کو ہمراہ لے کر، حضرت خاتم الاکابِر ،سید شاہ آلِ رسول صاحب، قُدِّسَ سِرُّہٗ کی خدمتِ اَقدس میں حاضر ہوئے۔

فقیر کے والد ماجد، حضرت سید شاہ محمد صادق اور میاں صاحب (حضرت نوری میاں) بھی ہمراہ گئے۔حضرت خاتم الاکابر نے مولانا نقی علی خاں صاحب، پھر مولانا احمد رضا خاں صاحب، پھر مرزا غلام قادر بیگ صاحب کو داخلِ سلسلۂ عالیہ قادریہ برکاتیہ جدیدہ کا فرمایا۔ اور اسی جلسہ میں حضرت نے اجازت وخلافت جملہ سلاسل و اسناد و تبرکاتِ خاندانِ عالیہ قادریہ برکاتیہ سے بھی مولانا نقی علی خاں صاحب اور مولانا احمد رضا خاں صاحب کو مشرف فرمایا۔''

(ص ۱۲۲ وص ۱۲۳ ''حیاتِ اعلیٰ حضرت'' حصہ اول۔مؤلّفہ مولانا محمد ظفر الدین احمد، قادری رضوی عظیم آبادی ۔مطبوعہ رضا اکیڈمی۔بمبئی ۱۴۲۴ھ/ ۲۰۰۳ء)

اِس نعمت و برکت کے حصول کا ذکر کرتے ہوئے اپنے قصیدہ ''چراغِ اُنس'' (۱۳۱۵ھ) میں امام احمد رضا، بریلوی، قُدِّسَ سِرُّہٗ ارشاد فرماتے ہیں:

تیری نعمت کا شکر کیا کیجیے ؟ — تجھ سے کیا کیا ملا؟ محبِّ رسول
اور تو اور ! شیخ تجھ سے ملا — اِس سے بڑھ کر ہے کیا؟ محبِّ رسول
شیخ بھی کون؟ حضرت آلِ رسول — خاتم الاولیاء محبِّ رسول
اُس کے دَرتک، رسائی تجھ سے ملی — تو ہوا ، رہنما ، محبِّ رسول
مجھ پہ واجب ہے تیرا شکرِ نِعَم — مجھ پہ واجب، دُعا، محبِّ رسول
تجھ پہ فضلِ رسول کا سایہ — مجھ پہ سایہ ترا ، محبِّ رسول

حضرت سید شاہ، ابوالقاسم ،اسمٰعیل حسن، قادری برکاتی ، مارہروی (وصال ۱۳۴۷ھ) نے نورُ العارِفین، حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد، نوری میاں کی ایک نصیحت و ہدایت کا ذکر کرتے ہوئے ایک بار ،ارشاد فرمایا کہ ۔۔۔مجھ سے فرمایا کہ بیٹا! اِس وقت ، دین داری کی علامت، یہ ہے کہ جو شخص ،مولانا عبدالقادر صاحب بدایونی اور مولانا احمد رضا خاں صاحب (بریلوی) سے محبت رکھے ،اُسے دین دار جانو۔اور جو شخص، ان دونوں سے بُغض وعداوت رکھے، اُسے سمجھ لو کہ بدمذہب ہے ۔ یا۔کسی بدمذہب کے پھیر میں پھنسا ہوا ہے اور جس مسئلہ میں، ان دونوں کا اتفاق ہو، اُسے جانو کہ یہ مسئلہ، بہت ہی محقّق ہے اور جس مسئلہ سے، ان دونوں کا اختلاف ہو، اُسے جان لو کہ یہ غیر محقّق اور غلط ہے۔''

اور فرماتے تھے کہ بیٹا! ہمارا تو اب، یہی دستورُ العمل ہے (اور فقیر کا بھی یہی دستورُ العمل رہا) کہ جو مسئلہ، مولانا احمد رضا خاں صاحب نے فرمایا، اس پر فوراً، دل، مطمئن ہوگیا۔اور ان کی تحقیق اور غور وفکر کے کثیر در کثیر واقعات ومشاہدات نے ، یہ حالت کردی تھی کہ جو مسئلہ ،دریافت کرتا، اُس کی نسبت ،لکھ دیتا کہ مسئلہ کا حکم، لکھ دیجیے، دلیل کی ضرورت نہیں ۔''(ص ۱۰۰۴۔حیاتِ اعلیٰ حضرت ، مکمل۔مطبوعہ، مکتبۂ نبویہ، گنج بخش روڈ، لاہور)

اور امام احمد رضا، بریلوی قُدِّسَ سِرُّہٗ تحریر فرماتے ہیں

''چودھویں صدی ہجری کے علما میں باعتبار حمایتِ دین ونصرتِ سنّت ،نیز باعتبار تَفَقُّہ، حضرت مولانا مولوی محمد عبدالقادر بدایونی صاحب،

رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ کا پایہ، اکثر معاصرین سے اَرفع تھا۔''
(ص ۳۶۶۔فتاویٰ رضویہ،جلد ششم،مطبوعہ،سنّی دارالاشاعت، مبارک پور ضلع اعظم گڑھ)

حضرت مولانا محمد ظفر الدین احمد، قادری، رضوی، عظیم آبادی لکھتے ہیں کہ''اعلیٰ حضرت، امام اہلِ سُنَّت، جس طرح، اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّار تھے، اُسی طرح، رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ کی بھی زندہ تصویر تھے۔ علمائے اہلِ سنّت کی عزت وقدر، ایسی کرتے تھے کہ باید وشاید۔ خصوصاً، حضرت تاج الفُحول، محبِّ رسول، مولانا شاہ عبدالقادر صاحب بدایونی قُدِّسَ سِرُّہٗ الْعَزِیز کی بہت ہی عزت کرتے تھے۔''
(ص ۱۴۷''حیاتِ اعلیٰ حضرت''، حصہ اول۔مطبوعہ رضا اکیڈمی بمبئی)

اپنے منظوم قصیدہ''چراغِ اُنس''(۱۳۱۵ھ) میں امام احمد رضا ، بریلوی فرماتے ہیں کہ

آج ، قائم ہے دینِ حق کی بِنا
دَم قدم سے ترے ، محبِّ رسول
ٹھیک معیارِ سُنِّیت ہے آج
تیری حُبّ و وَلا ، محبِّ رسول
سُنِّیت سے پھرا ، ہُدیٰ سے پھرا
اب جو تجھ سے پھرا ، محبِّ رسول
مصطفی کا ہوا ، خدا کا ہوا
اب جو تیرا ہوا ، محبِّ رسول
رِفض و تفضیل و نجدیت کا گلا
تیرے ہاتھوں کٹا ، محبِّ رسول

ایک اِستفتا کے جواب میں امام احمد رضا بریلوی قُدِّسَ سِرُّہٗ تحریر فرماتے ہیں''ہندوستان میں میرے زمانۂ ہوش میں، دو، بندۂ خدا تھے جن پر اصول وفروعِ عقائد وفقہ سب میں، اعتمادِ کلّی کی اجات تھی۔اوّل: حضرت خاتم المحققین، سیدنا الْوَالِد قُدِّسَ سِرُّہٗ الْمَاجِد۔ حَاشَ لِلّٰہ! نہ اس لئے کہ وہ، میرے والد، دوَالی، ولیِ نعمت تھے بلکہ اس لئے کہ اَلْحَقُّ وَ الْحَق اَقُول۔ اَلصِّدْقُ وَاللہ یُحِبُّ الصِّدق۔۔۔دوم: وَالاحضرت، تاج الفُحول، محبِّ رسول، مولانا مولوی عبدالقادر صاحب قادری بدایونی قُدِّسَ سِرُّہٗ الشَّرِیف۔ پچیس (۲۵) برس، فقیر کو، اس جناب سے بھی صحبت رہی۔ان کی سی وُسعتِ نظر وقوتِ حفظ وتحقیقِ اَنیق، ان کے بعد کسی میں نظر نہ آئی۔ان دونوں آفتاب وماہتاب کے غروب کے بعد، ہندوستان میں کوئی، ایسا نظر نہیں آتا، جس کی نسبت عرض کروں کہ آنکھیں، بند کر کے، اس کے فتویٰ پر عمل ہو۔'' الخ (ص ۱۳۰ وص ۱۳۱۔فتاویٰ رضویہ، جلد ۱۲۔ مطبوعہ رضا اکیڈمی، بمبئی)

ان دونوں حضرات کی محبت و یگانگت اور اِخلاص ووَداد کے بارے میں، حضرت سید شاہ ابوالقاسم اسمٰعیل حسن، عُرف شاہ جی میاں، قادری برکاتی، مارہروی (وصال ۱۳۴۷ھ) کا بیان ہے کہ۔ ۔'' مولانا عبد القادر صاحب (بدایونی) اور مولانا احمد رضا خاں صاحب (بریلوی) میں جو اِخلاص ومحبت واتحاد ووَداد کے تعلقات تھے، دیکھنے ہی سے تعلق رکھتے تھے۔

مختصر، یہ کہ، مولانا احمد رضا خاں صاحب (بریلوی) کو مولانا عبدالقادر صاحب (بدایونی) اپنے عزیز ترین بھائی سے کسی طرح، کم نہیں سمجھتے تھے۔ اپنا قوتِ بازو، خیال کرتے تھے اور مولانا احمد رضا خاں صاحب (بریلوی) بھی، ان کو اپنا بزرگ بھائی، جانتے۔ان کے اِعزاز واِکرام میں ما فوق العادۃ، کوئی دقیقہ، فروگذاشت، نہ کرتے۔حتّٰی کہ ان کے سامنے، حقہ نہ پیتے، پان نہ کھاتے۔''
(ص ۲۱۷۔حیاتِ اعلیٰ حضرت، حصہ اول۔مطبوعہ رضا اکیڈمی)

ایک موقع پر، امام احمد رضا، بریلوی نے مولانا محمد ظفر الدین احمد، قادری رضوی، عظیم آبادی سے ارشاد فرمایا۔۔۔''حضرت تاج الفحول، محبُّ الرَّسول، مولانا عبدالقادر صاحب (بدایونی) رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ کی یہی شان تھی کہ جب، یہاں (بریلی) فروکش ہوتے، عجیب رونق اور چہل پہل ہوجاتی، درودیوار، روشن ہوجاتے، اَنوار وبرکات کی بارش ہوتی اور جب، واپس، تشریف لے جاتے، باوجودے کہ صرف، وہی ایک جاتے، گھر کے سب لوگ، محلہ والے، سب کے سب، رہتے، لیکن عجیب اُداسی اور ویرانی، چھاجاتی۔''(ص ۲۱۷ و ص ۲۱۸۔حیاتِ اعلیٰ حضرت، حصہ اول۔مطبوعہ رضا اکیڈمی۔بمبئی)

(جاری)

☆☆☆

☆بانی وصدر دارالقلم، جامعہ قادریہ، قادری مسجد، ذاکر نگر، نئی دہلی۔25 رابطہ: 011-26986872,9350902937

اصلاح معاشرہ

مذہبی ذمے داریاں اور ہمارا منصب

محمد ولی اللہ قادری★

ہے مدنظر اصل میں اصلاحِ مفاسد
نشتر جو لگاتا ہے وہ دشمن نہیں ہوتا

فارغین علمائے اہل سے ملاقات، تبادلہ خیالات اور ان کی سرگرمیوں کی آگاہی کے بعد راقم اِس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ ہم عصر علمائے اہل سنت کا ایک طبقہ احساس کمتری کا شکار نظر آتا ہے جب کہ دوسرا طبقہ احساس برتری کے مرض میں مبتلا ہے۔ فراغت کے بعد علما کا وہ طبقہ جو عصری دانش گاہوں کی طرف رخ کرتا ہے، وہ اس قدر احساس کمتری کا شکار ہوجاتا ہے کہ اپنے اساتذۂ کرام کی سات آٹھ سالہ محنت، خلوص اور شفقت کا یک لخت میں منکر ہوجاتا ہے۔ ان علما کی زبان پر ایک ہی رٹ ہے کہ مدارس کے اساتذہ نے ہمیں کسی لائق نہیں بنایا۔ بات اعتراف حقیقت کے انکار تک ہی نہیں پہنچتی بلکہ وہ طبقہ عصری دانش گاہوں میں قدم رکھتے ہی مذہبی تشخص وعالمانہ وقار بھی بھول جاتا ہے۔ اپنی مومنانہ شناخت کی بھی پرواہ نہیں کرتا ہے، بایں سبب وہ مدارس کی زندگی کو قید وبند تصور کرتا ہے۔ علما کے اس طبقہ کی قابلِ ترس کیفیت کو دیکھنے کے بعد اکبر الہٰ آبادی کی نظم ''برق کلیسا'' یاد آجاتی ہے۔ مغربی مس کی پُرفریب شرط کو مشرقی اقدار کا حامل فرد کتنی جلدی اس کی پُرفریب دامِ محبت میں سمانے کی کوشش کرتا ہے اور اپنے آپ کو کہاں تصور کرتا ہے، ان سبھی باتوں کو اکبر الہٰ آبادی کے اِن اشعار میں دیکھا جاسکتا ہے:

موج کوثر کی کہاں اب ہے مرے باغ کے گرد
میں تو تہذیب میں ہوں پیر مغاں کا شاگرد
مجھ پہ کچھ وجہ عتاب آپ کو اے جان نہیں
نام ہی نام ہے ورنہ میں مسلمان نہیں
جب کہا صاف یہ میں نے کہ جو ہو صاحب فہم
تو نکالو دلِ نازک سے یہ شبہ یہ وہم
میرے اسلام کو اک قصّۂ ماضی سمجھو
ہنس کے بولی کہ تو پھر مجھ کو بھی راضی سمجھو

میری ناقص رائے کا یہ مطلب ہرگز نہ نکالا جائے کہ میں عصری علوم کے حصول کا مخالف ہوں لیکن عصری درس گاہوں میں جانے والے ان علما کے حرکات وسکنات کا ضرور مخالف اور مذہبی ذمہ داریوں کے تئیں ان کی بے فکری اور لاپرواہی کی مذمت کرتا ہوں۔ اس جمہوری ملک میں ان علما کا رویہ قابلِ تشویش ضرور ہے۔ کیا ہم اسلامی لباس اور وضع اختیار کرتے ہوئے عصری دانش گاہوں کے فیضان سے مالامال نہیں ہو سکتے؟ یہاں ایک سوال کھڑا ہوتا ہے کہ مدارس کے ذمہ داران کیسی تربیت دیتے ہیں کہ ان کا آٹھ سالہ تربیت یافتہ عصری دانش گاہوں کی ہوا سے محفوظ نہیں رہ پاتا؟ اِس سوال کا جواب یہ ہے کہ مدارس کے ذمہ داران حد درجہ کوشش کرتے ہی ہیں مگر اُسے مذہبی بے زاری تصور کرنا زیادہ مناسب ہوگا۔ ان کے حرکات وکیفیات کو احساس کمتری کا نتیجہ قرار دینا مذکورہ سوال کا سب سے موزوں جواب ہوگا۔ ہمارے متذکرہ علمائے اہل سنت کو سمجھنا چاہیے کہ اصل علم یہ نہیں کہ ہم بڑا عہدہ حاصل کرلیں بلکہ اصل علم کی تعریف حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری قدس سرہ نے یوں فرمائی ہے۔ حضرت رقم طراز ہیں:

''علم کا کام یہ ہے کہ اختیارات اور خواہش نفسانی کی طرف تم کو بھٹکنے نہ دے اور تم کو خدا کا راستہ دِکھائے اور راہبر بنے لیکن وہ علم جو شہوات نفسانی اور خواہشاتِ نفسانی کی طرف تم کو لے جائے اور ظالموں اور گمراہوں کے پاس پہنچانے کا ذریعہ ہو، اس کا نام علم نہیں ہے بلکہ وہ گمراہوں کا جال ہے۔ علم وہ ہے جو تم کو صدارت کی مسند سے اٹھا کر پائنتی بٹھا دے اور گفتگو کرنے سے زبان گونگی کردے اور تم کو لڑائی جھگڑوں سے چھڑا دے۔ نہ وہ کہ سرداری کی پگڑی تمھارے سر پر باندھے اور تکبر وغرور کا ٹپکا تمہاری کمر پر کس دے۔ علم وہ ہے جو تمھاری ذلت ورسوائی کا آئینہ لاکر تمہارے سامنے رکھ دے۔ اگر کوئی مسلمان تمہارے سامنے آجائے تو اس سے اپنا دامن سمیٹ لو اور کہو جناب کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کا کپڑا ناپاک ہوجائے۔'' (۲)

راقم الحروف کی نظر میں احساس برتری کا شکار وہ علمائے اہل سنت ہیں جو فراغت کے بعد میدانِ عمل میں تشریف لاتے ہیں۔ ان کی نظر

میں ان کے سوا سبھی اَن پڑھ ہوتے ہیں۔ اس طبقہ نے اپنی مذہبی ذمہ داری نبھانے کا آلہ اور اپنی زندگی کا سرمایہ چند تقریری کتابوں کو سمجھ لیا ہے۔ ان علمائے کرام سے ہماری گذارش ہوگی کہ چند تقریری کتابوں کے ذریعہ اہل سنت کی نمائندگی اور خدمت کا دعویٰ کرنا ''بے وقوفوں کی جنت کی سیر'' کے مثل ہے۔ جب تک ہم مذہبی ذمہ داری نبھانے کا ذریعہ مطالعۂ کتب کو نہ بنائیں گے اور کتب بینی کا ذوق ہمارے اندر پیدا نہ ہوگا۔ اس وقت ہم صحیح معنوں میں مذہبی ذمہ داری نبھا نہیں سکتے۔ احساس برتری کے شکار علمائے اہل سنت حضرت مخدوم جہاں کے ارشاد عالیہ سے خصوصی سبق حاصل کریں۔

یہاں ملک العلماء حضرت مولانا محمد ظفر الدین قادری بہاری علیہ الرحمہ کا وہ ارشاد پیش کرنا چاہوں گا جو، اپنے شاگرد عزیز اور درگاہ شاہ ارزاں عظیم آباد کے سجادہ نشیں شاہ عاشق حسین علیہ الرحمہ کے لیے فرمایا تھا۔ حضرت ملک العلماء لکھتے ہیں:

''اب عزیز سلمہ (شاہ عاشق حسین) کو حضرت عبداللہ بن مبارک کا ارشاد یاد دِلاتا ہوں: لایزال المرء عالما ماطلب العلم فان ظن انه قد علم فقد جهل۔ یعنی آدمی جب تک علم طلب کرتا ہے وہ عالم ہے اور جب اس کے خیال میں یہ بات آگئی کہ اب ہم عالم ہو گئے ہمیں طلب کی ضرورت نہیں، تو وہ جاہل ہے۔ عزیز موصوف کو چاہیے کہ برابر کتب بینی، فتویٰ نویسی، وعظ اور تصنیف وتالیف میں مشغول رہیں اور اپنے علم سے لوگوں کو فائدہ پہنچائیں۔'' (۳)

حضرت ملک العلماء کا یہ ارشاد متعدد بار مطالعے کی دعوت دے رہا ہے۔ اس ارشاد کی اہمیت وافادیت عصر حاضر میں مزید بڑھ جاتی ہے۔ حضرت مخدوم جہاں اور ملک العلماء کے بتائے ہوئے احکام وارشادات کو ہم عصر علمائے اہل سنت اپنی زندگی کی مشعل راہ بنالیں تو یقینا ہماری مذہبی زندگی میں چار چاند لگ جائے گا۔ ان ارشادات پر عمل کرنے سے مذہبی ذمہ داری کے متعلق شکوہ باقی نہیں رہ جائے گا۔ ملک العلماء کے ارشاد سے یہ بات بھی واضح ہوجاتی ہے۔ علمائے اہل سنت کی سب سے اہم مذہبی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ علم دین کے فروغ کے لیے ہمہ تن سرگرداں رہیں اور اپنا اصل مشن علم دین کے فروغ وارتقا کو بنائیں۔ یہ بات بالکل درست ہے کہ علم دین کے فروغ کا چرچا اور شہرہ خوب ہورہا ہے۔ مدارس اسلامیہ کا قیام اور ان کے بڑھتے قدم اس دعویٰ کی دلیل ہیں لیکن یہ تلخ حقیقت ہے کہ اہالیانِ مدارس نے مدرسے کی عمارت بنانا اور سال میں دو چار حفاظ تیار کرلینا پھر ان کی دستار بندی کا جلسہ کرلینا اپنا مذہبی فریضہ تصور کرلیا ہے، جو مناسب نہیں۔ مدارس کے ذمہ داران دستار بندی کے نام پر جس قدر خطیر رقم خرچ کرتے ہیں اگر ان رقوم کو تعلیم وتعلیم پر صرف کردیں تو بایقین مدارس کے معیار کا شکوہ دور ہوجائے گا۔

مدارس میں عصری علوم کے فروغ پر بھی خوب زور دیا جارہا ہے جو مناسب نہیں۔ علمائے کرام پر لازم ہے کہ مذہبی علوم کے تئیں زیادہ سعی کریں اور مدارس سے ڈاکٹر اور انجینئر بنانے کا خواب چھوڑ دیں۔ عصر حاضر میں مسلم دانشوران کا اِس بات پر زور کہ مدارس کے طلبا معاشی اعتبار سے کمزور ہیں اور آئندہ کمزور ہوں گے اس لیے ان کو عصری علوم سے مکمل آراستہ کیا جائے۔ مسلم دانشوروں کی یہ رائے اس لحاظ سے قابلِ قبول نہیں کہ مدارس کے طلبا کیا دونوں نصاب کو برداشت کرسکیں گے؟ ہرگز نہیں کیوں کہ مدارس کے طلبا کو جو سہولیات ملنی چاہیے وہ نہیں ملتی۔ خورد ونوش سے لے کر ہر مرحلے میں مدارس کے طلبا کو اسکول کے طلبا کے مقابلے میں کم سہولت ملتی ہے۔ گارجین حضرات اسکول کے طلبا کو ہر طرح کی سہولت دیتے ہیں اس کے باوجود اسکول کے طلبا امتحان میں ناکام ہوجاتے ہیں۔

اِن دِنوں اسکول کا نصاب بھی آسان ہوگیا ہے۔ آخر اسکول کے طلبا کے لیے ایسی باتیں کیوں نہیں کہی جاتیں؟ جہاں تک مدارس کے فارغین کے روزگار کا معاملہ ہے وہ اسکول اور کالج کے سند یافتہ طلبا سے کہیں بہتر ہے۔ حالیہ دنوں مرکزی حکومت کی ایک رپورٹ سامنے آئی جس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ مسلمانوں کے چھیانوے فیصدی بچّے اسکولوں میں پڑھتے ہیں۔ اگر دونوں درس گاہوں کے فارغین کے روزگار اور مالی پوزیشن کا تجزیہ کیا جائے تو حیرت انگیز نتیجہ سامنے آئے گا۔

یہاں یہ بات تشویش ناک ضرور ہے کہ عصر حاضر میں علم کے حصول کا ایک ہی مقصد نکال لیا گیا ہے محض پیسہ کمانا۔ بایں سبب علم میں برکت نہیں ہورہی ہے۔ پہلے زمانے میں ایک ہی ڈاکٹر سبھی جسمانی امراض کا اعلاج کردیتا تھا لیکن فی زمانہ سبھی اجزا کے لیے الگ الگ ڈاکٹرس ہیں۔ اس کے باوجود عصری علوم کا شہرہ ہے۔ آخر اس سلسلے میں شکوہ کیوں نہیں کیا جاتا ہے؟ علمائے اہل سنت اور عوام اہل سنت دونوں سے ہماری گذارش ہوگی کہ علم کو ذریعہ معاش نہ بنایا جائے بلکہ علم کو خدمت خلق کا واسطہ بنایا جائے تو یقیناً اللہ پاک علم میں برکت عطا فرمائے گا اور خدمت خلق کے صدقے ہمارے رزق میں اضافہ ہوگا۔

ہمارے علمائے کرام کو بھی شکوہ ہے کہ علمائے کرام کی مالی خدمت نہیں ہو رہی ہے۔ یہ شکوہ ایک حد تک درست ہے کہ عوام شہرت کے نام پر ایک مقرر اور شاعر کو ایک رات میں دس ہزار روپے نذرانہ پیش کرتے ہیں لیکن اپنے ائمہ کرام اور مدارس کے اساتذہ کو مہینہ میں دس ہزار دینا انھیں بار محسوس ہوتا ہے لیکن یہاں یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ ائمہ حضرات معمولی تنخواہ پانے کے باوجود ایک سے ایک عمدہ لباس اور قیمتی موبائل ان کے ہاتھوں میں نظر آتا ہے۔ آخر یہ سب کہاں سے آتا ہے؟ ائمہ حضرات پر لازم ہے کہ عوام کے توقعات کا خیال رکھیں کیوں کہ علما یا ائمہ بنانے میں عوام کا حصّہ نا قابلِ انکار ہے۔ اس سوال پر بھی غور کرنے کی ضرورت ہے۔

علمائے اہل سنت کی اصل ذمہ داری تعلیم و تعلم ہے نہ کہ پیری مریدی۔ عصر حاضر میں علمائے کرام کا رجحان اس جانب بیش از بیش ہے۔ علما کے اس عمل کو یکسر غلط قرار نہیں دیا جا سکتا کیوں کہ عوام اہل سنت کو جاہل پیروں اور صوفیوں کے مکر سے بچانا اُن کی ہی ذمہ داری ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ علماے کرام پیری مریدی کو اولیت کا درجہ دیں اور درس و تدریس کو ثانوی درجہ۔ بیعت و ارادت کا درجہ مستحبات سے ہے جب کہ علم دین کا فروغ واجب۔ فارغین مدارس کو اس بات پر بھی توجہ دینے کی ضرورت ہے کہ ان کی زندگی میں بہار دِلانے میں عوام کے خلوص کا بھی ایک حصّہ ہے۔ لہٰذا مستحب کے لیے واجب سے عدم توجہی عقل مندی نہیں۔

یہاں حضرت مخدوم جہاں کا قول یاد آ رہا ہے۔ حضرت مخدوم جہاں اپنے مکتوب میں لکھتے ہیں کہ ''ایک ایسا آدمی جو علم میں مقتدا (عالم) ہو اور دین کے کاموں میں لوگ اس کے محتاج ہوں اور حقوق کے بیان یا بدعتوں کو رد کرنے یا دین کی طرف اپنے قول و فعل کے ذریعہ دعوت مقصود ہو تو ایسے شخص کے لیے جائز نہیں کہ وہ لوگوں سے بالکل علیٰحدگی اختیار کرے بلکہ ضروری ہے کہ وہ لوگوں کے درمیان میں رہے اور بندگانِ خدا کو نصیحت کرے اور احکام آخرت بیان کرے۔ روایت ہے کہ پیغمبر خدا ﷺ نے فرمایا کہ جب بدعتیں ظاہر ہوں اور عالم خاموش رہے، تو ایسے عالم پر خدا کی لعنت ہے۔ اس کے لیے گوشہ نشینی جائز نہیں بلکہ لوگوں کے درمیان مل جل کر رہنا لازم ہے۔ روایت ہے کہ استاد ابوبکر فورک رحمۃ اللہ علیہ نے ارادہ کیا کہ لوگوں سے علیٰحدہ ہو کر گوشہ نشینی اختیار کریں اور خدا کی عبادت میں مشغول ہوں۔ آپ کوہسار سے گذر رہے تھے کہ ایک آواز سنی ''اے ابوبکر! تجھے خداوند تعالیٰ نے مخلوق پر اپنا دوست بنایا ہے تو بندگانِ خدا سے کیوں کنارہ کش ہوتا ہے'' تو آپ اپنے ارادے سے باز آئے اور لوگوں کے درمیان زندگی گذارنے لگے۔ نقل کرتے ہیں کہ استاد اسحٰق نے لبنان کی پہاڑیوں میں رہنے والے عابدوں سے فرمایا ''اے گھاس پات کے کھانے والو! تم نے امت محمدی ﷺ کو گمراہوں کے ہاتھ میں چھوڑ دیا ہے اور یہاں گھاس کھانے میں مشغول ہو'، انھوں نے کہا ''ہم لوگوں کو عام مخلوق کی صحبت برداشت کرنے کی طاقت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ قوت دی ہے آپ پر واجب ہے کہ آپ ان کو نصیحت کریں'' تو ایسا شخص اگر لوگوں کے ساتھ رہ کر خدمت ادا کرے تب بھی آخرت کے لیے نیکیوں کا ذخیرہ کرنے کا محتاج ہے....''(۴)

مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری علیہ الرحمہ کے اس مکتوب سے واضح ہو گیا ہے کہ ان کی نظر میں اور صوفیا کے یہاں علم دین کی اہمیت و افادیت کیا ہے۔ ہمارے علمائے اہل سنت اور عصر حاضر کے اہالیان طریقت مخدوم جہاں کی مذکورہ بالا عبارت کو بار بار پڑھیں اور علم دین کے فروغ کو سب سے بڑا فریضہ جانیں۔ فضیلتِ علم کے حوالے سے لکھے اپنے ایک مضمون میں ملک العلماء مولانا محمد ظفرالدین قادری بہاری علیہ الرحمہ نے زاہد اور عالم کے فرق کو واضح کیا ہے۔ ملک العلماء حضرت شیخ سعدی شیرازی علیہ الرحمہ کی بیان کردہ ایک حکایت کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

''حضرت شیخ سعدی فرماتے ہیں کہ ایک شخص عابد زاہد، صوفیہ کے گروہ میں تھا۔ ایک دن کیا دیکھتا ہوں کہ خانقاہ چھوڑ کر وہ طالب علموں کے زمرہ میں داخل اور مدرسہ میں ڈٹا ہوا ہے۔ میں نے اس سے پوچھا کہ تمہارے نزدیک عالم و زاہد میں کیا فرق ہے کہ تم نے زاہدانہ زندگی چھوڑ کر عالمانہ زندگی اختیار کی؟ اس شخص نے جواب دیا کہ زاہد کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ عبادت و پرہیزگاری میں اوقات گزاری کی جائے تا کہ دوزخ سے نجات ہو اور جنت نصیب ہو اور عالم کی آرزو و تمنا یہ ہوتی ہے کہ جو لوگ گم گشتگانِ راہ ہدایت اور گمراہی کے گڑھے میں گرے ہیں، ان کو حبل اللہ المتین کے ذریعہ اوپر کھینچ لیا جائے اور صراط المستقیم پر ان کو چلایا جائے تا کہ دوزخ سے بچ کر وہ جنت میں داخل ہوں۔''(۵)

مذکورہ بالا اقتباس پڑھنے کے بعد علمائے اہل سنت اپنا محاسبہ کریں کہ اپنی ذمہ داری نبھانے میں ہم کہاں تک انصاف کرتے ہیں اور مذہبی ذمہ داری نبھانے کے سلسلے میں ہماری نیت اور مقصد کیا ہوتا ہے؟ علمائے اہل سنت کی مذہبی ذمہ داری میں یہ بات بھی شامل ہونی چاہیے

کہ علمائے اہل سنت اپنی ذمہ داری کو مسجد و مدرسہ تک محدود نہ سمجھیں کیوں کہ آپ نائب رسول ہیں، اس لیے یہ کوشش ہونی چاہیے کہ مسلمانوں کے ملّی مسایل اور عوام الناس کے دیگر معاملات میں اگر ہم معاون نہیں، تو عوام الناس پر اچھا اثر قائم نہیں کیا جا سکتا ہے۔ خدمت خلق (تدریس کے علاوہ) بھی عبادت ہے۔ صوفیا کی نظر میں ایک لحاظ سے خدمت خلق سب سے بڑی عیادت ہے اور اللہ پاک کی معرفت کا سب سے اہم سبب بھی۔ مخدوم جہاں ایک مقام پر لکھتے ہیں:

''مرید کا ایک بڑا کام خدمت کرنا ہے۔ خدمت کرنے میں بڑے بڑے فوائد ہیں اور کچھ ایسی خاصیتیں ہیں جو کسی اور عبادت میں نہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ نفس سرکش مرجاتا ہے اور بڑائی کا گھمنڈ دماغ سے نکل جاتا ہے۔ عاجزی اور تواضع آجاتی ہے۔ اچھے اخلاق، تہذیب اور آداب آجاتے ہیں۔ سنت اور طریقت کے علوم سکھاتی ہے۔ نفس کی گرانی اور ظلمت دور ہوکر روح سبک اور لطیف ہوجاتی ہے۔ آدمی کا ظاہر و باطن صاف اور درشن ہوجاتا ہے۔ یہ سب فائدے خدمت ہی کے لیے مخصوص ہیں۔ ایک بزرگ سے پوچھا گیا کہ خدا تک پہنچنے کے لیے کتنے راستے ہیں؟ جواب دیا کہ موجودات عالم کا ہر ذرّہ خدا تک پہنچنے کا ایک راستہ ہے، مگر کوئی راہ نزدیک تر اور بہتر، مخلوق خدا کو راحت اور آرام پہنچانے سے بڑھ کر نہیں ہے اور ہم تو اسی راستے پر چل کر اس منزل تک پہنچے ہیں اور اپنے مریدوں کو بھی اسی کی وصیت کرتے ہیں۔ انھیں بزرگوں کا کہا ہوا ہے کہ اس گروہ کے وِرد و وظائف اور عبادتیں اتنی ہیں جو بیان نہیں کی جاسکتیں، مگر کوئی عبادت افضل اور مفید تر خدمتِ خلق سے نہیں۔ حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے کہ حضور سے پوچھا گیا ایُّ صدقةٍ افضل۔ قال خدمة عبدٍ فی سبیل اللہ او ظلُّ فساطٍ او طُروقة فحل فی سبیل اللہ۔ (کون سا صدقہ زیادہ افضل ہے؟ فرمایا بندے کی خدمت کرنا خدا کی راہ میں، یا سایے کی غرض سے خدا کے راستے میں شامیانے لگانا، خیمے نصب کرنا۔ یا خدا کی راہ میں اونٹ یا کشتی دینا)۔''(۶)

مخدوم جہاں کا یہ ارشاد ہر چند مریدوں کے لیے ہے لیکن ان کے اس حکم کا اطلاق عصر حاضر کے علمائے اہل سنت پر صد فی صد ہوگا کیوں کہ ہم عصر علمائے اہل سنت پر یہ مریدوں سے کہیں زیادہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ علمائے اہل سنت کے لیے تاج دار اہل سنت مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کی ذات بابرکات مشعل راہ ہے۔ مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کی سوانح حیات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے شب و روز کا عالم یہ تھا کہ اگر علما و مفتیان کرام کی تربیت فرماتے وہیں عوامی مسائل اور ان کا روحانی علاج کے لیے تعویزات بھی عنایت فرماتے۔ مفتی اعظم ہند نے تعویزات کے ذریعہ بلا تخصیص مذہب سبھوں کو فیض یاب فرمایا۔

علمائے اہل سنت اور ائمہ مساجد کی ذمہ داری یہ بھی ہے کہ وہ اپنی علمی گفتگو اور خطاب میں سنجیدگی اور متانت کا مظاہرہ کریں۔ اپنے طریقۂ تبلیغ کی راہ کشادہ کریں۔ عوام سے تعلقات اور ان کے مابین کی گفتگو میں عالمانہ وقار ہر حال میں بلند رکھیں۔ اس سلسلے میں اپنی بات ایک مثال سے واضح کردوں تاکہ بات آسانی سے دل میں اتر جائے۔ حضرت مفتی اعظم ہند کے خلیفہ اور ہمارے استاذ مکرم حضرت مفتی محمد عبید الرحمن رضوی، شیخ الحدیث دارالعلوم مظہر اسلام وصدر مفتی رضوی دارالافتا، بریلی شریف رقم طراز ہیں:

''حضور مفتی اعظم ہند کی خدمت میں ایک معمر شخص برابر آیا کرتا تھا۔ حضرت اس سے برابر داڑھی رکھنے کی تاکید فرماتے۔ کبھی غضبناک ہوکر فرماتے داڑھی میں کتنے کوئنٹل کا بوجھ ہے۔ وہ جواب میں کہتا حضور اِن شاء اللہ میں اب داڑھی رکھوں گا۔ جب بھی وہ حضرت کی خدمت میں آتا یہی کہتا حضور اِن شاء اللہ داڑھی رکھ لوں گا۔ ایک مرتبہ وہ شخص آیا تو حضرت کے کہنے کا انداز کچھ اور تھا۔ آپ نے فرمایا ہمیشہ آپ کہتے رہتے ہیں ان شاء اللہ داڑھی رکھ لوں گا۔ کبھی ہم کو ماشاء اللہ کہنے کا موقع دے دیجیے۔ خود اپنی چیز یا کسی مسلمان کی اچھی چیز کو دیکھ کر برکت کی دعا کرنی چاہیے یا ماشاء اللہ کہہ دے، یہ مستحب ہے اور باعث اجر بھی۔ مفتی اعظم ہند کے ماشاء اللہ کہنے کا مطلب یہی تھا کہ آپ داڑھی رکھ لیں گے تو اس اچھے کام کو دیکھ کر مجھے ماشاء اللہ کہنے کا موقع مل جائے گا۔ یہ تھا آپ (مفتی اعظم) کا اُدعوا ربکم بالحکمة والموعظة الحسنة۔ پر عمل۔ اب وہ شخص حاضر ہوا، تو اس کے چہرے پر شریعت کے اعتبار سے ایک مشت داڑھی تھی۔''(۷)

ہم عصر علمائے اہل سنت کا ایک بڑا طبقہ گورنمنٹی اسکولوں سے وابستہ ہے۔ ان علما کو اپنی ذمہ داری کا اگر احساس ہوجائے تو مذہب اہل سنت کا بڑا فائدہ ہوگا، لیکن ان کی حالت قابل ترس ہے۔ ان علما سے ہماری گذارش ہے کہ اپنے آپ کو گورنمنٹ ملازم تصور نہ کریں بلکہ ہمیشہ مذہب کا خادم تصور کریں تو ان کے لیے اسی میں بھلائی ہے۔ اسکولوں میں برسرِ روزگار علمائے کرام اسکول کے نصاب تک ہی محدود نہ رہیں

بلکہ خارجی اوقات میں ان بچوں کو مذہبی تعلیم دیں اور مذہبی تہذیب و ثقافت سے آراستہ کریں۔ ہر عالم ہر سال اپنے اسکول کے پانچ طلبا کو قرآن شریف ناظرہ کرادیں اور علمائے کے اہل سنت کی بنیادی تعلیم دے دیں تو یقیناً اُن کی ذہن سازی ہوجائے گی اور اخیر عمر تک اِن شاء اللہ وہ طلبا معمولاتِ اہل سنت اور عقائد صحیحہ پر کار آمد رہیں گے۔ راقم الحروف کا ماننا ہے کہ اگر خلوص اور مذہبی خدمات کا جذبہ ہو، تو اسکولوں میں رہ کر بھی مذہبی فریضہ بخوبی انجام دیا جاسکتا ہے۔ اس سلسلے میں حضرت نعمت العلماء مولانا محمد نعیم الدین نعمت، بانی دارالعلوم نعیمہ چھپرا، قاضی اہل سنت حضرت مفتی محمد فضل کریم علیہ الرحمہ قاضی ادارۂ شرعیہ پٹنہ اور مولانا سید الزماں حمدوی کی ذات ہمارے لیے بہت اچھی مثال ہے۔ راقم الحروف بھی اس پر عامل ہے۔

تحریر سے وابستہ علمائے اہل سنت کی ذمہ داری یہ ہے کہ عوام کے ذوق ودلچسپی کا خیال کرتے ہوئے مضامین قلم بند کریں۔ لکھنے سے قبل موضوعات کا انتخاب اس لحاظ سے کریں کہ وہ موضوع قاری کو پڑھنے پر مجبور کردے۔ میری ناقص رائے میں افسانوی اسلوب اختیار کرکے اصلاحی مضمون لکھا جائے تو فی زمانہ اس کے اثرات نمایاں مرتب ہوں گے۔ اس سلسلے میں ملک العلماء کا رسالہ ''دلچسپ مکالمہ'' کا مطالعہ کیا جائے تو اس سے بہت حد تک مدد ملے گی۔ ہمارے علمائے کرام اس وقت تک اپنی ذمہ داری احسن طریقے سے انجام نہیں دے سکتے جب تک ان کے قلوب میں لِلّٰہیت پیدا نہ ہوں اور ہر عمل میں خلوص لازم ہے کہ بغیر خلوص اور لِلّٰہیت کوئی کام پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچ سکتا۔ اس کا حکم قرآن شریف میں ہے:

انما یخشی اللہ من عبادہِ العلماءُ (۸) کہ اللہ کے بندوں میں خدائے تعالیٰ سے علما ہی ڈرتے ہیں۔ اس آیت کی توضیح وتشریح ملک العلماء نے بہت عمدہ کی ہے۔ حضرت لکھتے ہیں:

''خوف وہی کرے گا جو اچھی طرح پہچانے اور سب سے زیادہ خدا کو پہچاننے والے علما ہیں تو خدا کا خوف رکھنے والے بھی علما ہی ہوئے۔ اس آیت کریمہ کی مشہور قرأت تو یہی ہے کہ لفظ اللہ کو نصب اور علما کو رفع پڑھا جائے اور شاذ قرأت **انما یخشی اللہُ من عبادہِ العلماءَ** بھی وارد ہے تو اس قرأت پر خشیت سے مراد جلال و تعظیم ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں علما ہی کو عزت ووقعت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ یہ قرأت ہمارے امام اعظم و ہمام اقدم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی ہے۔''(۹)

پیش کردہ اقتباس سے جہاں خوف الٰہی کرنے والے علما کا مقام واضح ہوتا ہے وہیں ملک العلماء کی علم تفسیر کی لیاقت کا پتہ بھی چل جاتا ہے۔ حاصل کلام یہ کہ ''علمائے اہل سنت اور ان کی مذہبی ذمے داریاں'' کے سلسلے میں سطور بالا میں جو کچھ عرض کیا گیا ہے، اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ مذہب اہل سنت و جماعت مخلص اور ذمے دار علما سے محروم ہے۔ الحمد للہ آج بھی بہت سے علمائے اہل سنت اپنی ذمہ داریاں نبھانے میں ذرّہ برابر کمی نہیں کرتے۔ ضرورت اس بات کی بھی ہے کہ ان مخلص علمائے اہل سنت کی خدمات کا اعتراف کیا جائے اور ان کی قدر کی جائے تا کہ ان کی مخلصانہ کاوشوں اور جدوجہد سے ہم عصر علمائے اہل سنت کو رغبت ملے اور نئی نسل کے علمائے اہل سنت کو ان کی خدمات سے حوصلہ ملے اور وہ بھی اپنی مذہبی ذمہ داری احسن طریقے سے ادا کرسکیں۔

اللہ پاک علمائے اہل سنت کی عمر میں برکتیں عطا فرمائے اور ان کی خدمات کو شرف قبولیت بخشے۔ آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ

حواشی

(۱) کہکشاں حصّہ دوم، ص: ۱۲۹۔ یہ نظم اکبرالٰہ آبادی کی بہترین نظموں میں سے ایک ہے۔ اس میں اکبر نے انگریزی تہذیب وتمدن کو ظریفانہ اسلوب میں ہدف ملامت بنایا ہے۔

(۲) مکتوبات صدی، اردو، ص: ۳۴۹

(۳) مضمون بہ عنوان فضیلتِ علم، مولانا ظفرالدین بہاری، مشمولہ بہ کتاب ''سرمایہ جلسہ دستار بندی'' اشاعت، پٹنہ، اپریل ۱۹۴۶ء، ص: ۵۱ و ۵۲

(۴) مکتوبات صدی اردو، ص: ۵۷۸

(۵) مضمون بہ عنوان فضیلت علم، ص: ۴۷

(۶) مکتوبات صدی اردو، ص: ۴۴۹ و ۴۵۰

(۷) کرامات مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان، ص: ۱۲ و ۱۳

(۸) القرآن الکریم (۹) تذکرۂ ملک العلماء، ص: ۱۵۲

[نوٹ: یہ مقالہ دارالعلوم برکات غوث ورضا بیل سنڈ، سیتامڑھی (بہار) میں منعقد سیمینار مورخہ ۱۲/اپریل ۲۰۱۷ء کے لیے لکھا گیا تھا]

☆☆☆

☆ گورنمنٹ انٹر کالج (ضلع اسکول) چھپرا (بہار)
9852234311

فکر وتحقیق

علوم قرآن کے فروغ واشاعت میں عہد عالم گیری کا حصہ

محمد ارشاد عالم★

عہد عالم گیری (۱۶۵۸ء-۱۷۰۷ء) کو فتاوی عالم گیری کی وجہ سے عام طور سے فقہ کی تدوین وترتیب ہی کی حیثیت سے جانا جاتا ہے لیکن فقہ کے علاوہ بھی اُس ۵۰/ سالہ دورِ حکومت کا کام بھی کچھ کم اہمیت کا حامل نہیں ۔ یہ عہد صرف فقہ ہی نہیں، قرآنی وحدیثی علوم اور تصوف وکلام کے فروغ کے لحاظ سے بھی انتہائی زرخیز ہے اور فقہ میں صرف فتاویٰ عالمگیری ہی نہیں بلکہ اس بحر میں اور بہت سے لعل و گہر پوشیدہ ہیں جن کی ایک بڑی تعداد آج بھی لائبریریوں میں محققین کی نظر التفات کی منتظر ہے۔ جب کہ افسوس کہ بہت سے آثار، بہت سے جواہر پارے تلف ہو گئے ۔ مطالعے کے دوران تحقیق کار پر اِس کا بھی انکشاف ہوا کہ اس عہد میں علوم اسلامیہ کے اندر کچھ ایسے کام بھی ہوئے جو اس عہد کے ساتھ خاص ہیں، ان کی نظیر نہ ان سے پہلے ملتی ہے اور نہ بعد میں ۔

ذیل میں اسلامی علوم کی ایک اہم شاخ علم تفسیر وعلوم قرآن میں علمائے عہد عالم گیری کی خدمات کا ایک تحقیقی مطالعہ وجائزہ پیش کیا جارہا ہے، جس سے ایک عام غلط فہمی کہ ''عہد عالم گیری فقہ کا عہد ہے'' کا ازالہ مقصود ہے۔

اسلامی علوم وفنون میں علوم قرآن کو سب پر فوقیت حاصل ہے بلکہ اسے ''امہات علوم'' سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔ علومِ قرآن کے مختلف ابواب میں عہد عالمگیری میں حکومت کی معارف پروری کے زیر اثر اور انفرادی سطح پر بھی قابل قدر خدمات انجام دیے گئے۔ تصنیف وتالیف کے علاوہ درس وتدریس اور دیگر ذرائع سے بھی تفسیر قرآن اور اشاعت وفروغ علوم قرآن کی طرف توجہ کی گئی۔ زبان و بیان کے لحاظ سے عربی کے ساتھ فارسی جو اُس وقت ہندوستان کی عوامی اور سرکاری زبان تھی دونوں زبانوں میں قرآنی علوم کی اشاعت وترویج پر خصوصی توجہ مبذول کی گئی ۔ ذیل میں درس وتدریس اور تصنیف وتالیف کے ذریعے عہد عالم گیری کی تفسیری خدمات کی ایک جھلک پیش کی جارہی ہے، جس کے ذریعے یہ حقیقت ظاہر ہوگی کہ اس عہد میں تفسیر قرآن کے باب میں جو علمی کام ہوئے وہ نہ صرف توجہ طلب ہیں بلکہ مختلف زاویے سے اسے منظر عام پر لانے کی ضرورت ہے۔

درس وتدریس: کسی بھی فن کو فروغ دینے میں درس و تدریس کا رول بہت اہم ہوتا ہے ،اسی وجہ سے اہل علم تصنیف وتالیف کے ساتھ درس وتدریس پر اپنی توجہ بطور خاص مبذول کرتے ہیں، عہد عالم گیری میں فن تفسیر وعلوم قرآن کی تدریس سے بطور خاص دل چسپی رکھنے والے علماومفسرین میں درج ذیل مشاہیر کا نام خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہے۔

حافظ ابراہیم بلگرامی (وصال، نامعلوم)، حافظ ضیاء اللہ بلگرامی (۱) (م ۱۱۰۴ھ/ ۱۶۹۷ء)، شیخ غلام نقشبند لکھنوی (م ۱۱۲۶ھ/ ۱۷۱۴ء)، ملا احمد جیون امیٹھوی (م ۱۱۳۰ھ/ ۱۷۱۸ء)، مولانا اصغر علی قنوجی (م ۱۱۴۰ھ/ ۱۷۲۸ء) شاہ کلیم اللہ جہان آبادی (م ۱۱۴۱ھ/ ۱۷۲۸ء) وغیرہ۔

ڈاکٹر ظفر الاسلام اصلاحی، درس وتدریس کے ذریعے عہد عالمگیری میں علوم قرآن میں خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اورنگ زیب عالمگیر (۱۶۵۸ء-۱۷۰۷ء) کے عہد میں علم قرأت کے ماہرین میں خصوصیت سے حافظ ابراہیم اور حافظ ضیاء اللہ بلگرامی (۱) (م ۱۶۹۷ء) قابل ذکر ہیں۔ اوّل الذکر عالمگیر کے استاذوں میں سے تھے اور فنِ تجوید کے ساتھ ساتھ علم تفسیر وحدیث میں بھی ممتاز تھے۔ انھوں نے درس وتدریس کے ذریعے ان علوم کی اشاعت کی خدمت انجام دی۔ (۲)

ملا احمد جیون امیٹھوی نے تعلیم سے فراغت کے بعد بائیس سال کی عمر میں اپنے وطن امیٹھی میں مسند درس آراستہ کیا، جس کا سلسلہ ۱۰۸۷ھ ۱۶۷۶ء تک برقرار رہا۔ اس اثنا میں بے شمار طالبان علم ان سے مستفید ہو کر درجہ کمال کو پہنچے، جن میں احمد بن ابو المنصور گوپاموی جو فتاوی عالمگیری کے مؤلفین میں شامل تھے اور مفتی تابع محمد مفتی لکھنو خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ (۳)

شیخ غلام نقشبند لکھنوی کا نام عہد عالم گیری کے صاحب درس

مفسرین میں نمایاں ہے۔شیخ غلام نقشبند نے تمام عمر درس وتدریس میں گزاری، وہ مختلف علوم وفنون کے جامع تھے مگر فن تفسیر سے ان کو خاص شغف تھا، وہ تفسیر بیضاوی کا درس دیتے تھے۔ان کے درس کی ایک اہم خوبی یہ تھی کہ وہ اپنے تلامذہ کے ساتھ بڑی شفقت سے پیش آتے تھے، ذہین اور باصلاحیت طلبہ کی حوصلہ افزائی کرتے اور تعلیم سے فراغت کے بعد بھی ان سے برابر ربط رکھتے اور ان کی کامیابیوں پر خوش ہوتے تھے۔(۴)

عبدالحی رائے بریلوی نے کان من کبار الاساتذۃ کے لفظ سے ان کی تدریسی خدمات کو سراہا ہے۔(۵)

شیخ غلام نقشبند لکھنوی کے تلامذہ میں ملا نظام الدین سہالوی، میر عبد الجلیل بلگرامی، سید فرید الدین بلگرامی، سید قادری بلگرامی، سید محمد قاسم کاکوروی بجنوری، شیخ نور الہدی امیٹھوی اور مفتی شرف الدین لکھنوی کے نام شامل ہیں۔(۶)

شاہ کلیم اللہ جہان آبادی کا نام بھی عہد عالم گیری کے صاحب درس مفسرین میں انفرادیت کا حامل ہے، انہوں نے تعلیم سے فراغت کے بعد چند برس مطالعہ میں گزارا، بعض درسیات کی کتابوں پر شروح وحواشی لکھے، پھر اپنے پدر بزرگوار کے حکم کی تعمیل میں زینۃ المساجد دہلی کے دالان میں باقاعدہ درس کا سلسلہ شروع کیا اور یہ سلسلہ تقریبا دس سال تک جاری رہا اور اس دوران بے شمار تشنگان علم نے اپنی علمی پیاس بجھائی۔(۷)

مولانا اصغر علی قنوجی، نے تمام عمر قنوج میں درس وافادہ کا بازار گرم رکھا اور بے شمار لوگوں نے ان سے استفادہ کیا۔آپ کے تلمیذ رشید غلام علی آزاد بلگرامی کے مطابق: مدت شصت سال درس گفت خلقی کثیر در حوزہ درس او منتہای فضیلت حاصل کرد۔ مسلسل ساٹھ سال تک انہوں نے درس دیا اور بہت سے لوگ ان کے حلقہ درس سے عالم وفاضل بن کر نکلے۔(۸)

ان کے تلامذہ میں مولانا رستم علی قنوجی، محشی صدرا مولوی محمد امجد اور مولوی فتح علی قنوجی کے نام سرفہرست ہیں۔(۹)

کتابت قرآن: علوم قرآن کی نشر واشاعت سے متعلق جو علوم وابستہ ہیں ان میں کتابتِ قرآن بھی شامل ہے۔عہد عالمگیری میں جب کہ طباعت کی سہولتیں مہیا نہ تھیں، قرآن کی اشاعت کا کتابت ہی واحد ذریعہ تھا، اس لیے اس فن کی ضرورت واہمیت اپنی جگہ مسلم تھی جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔کتابت قرآن کو ایک مشغلہ تصور کیا جاتا تھا اور خیر وبرکت کا ذریعہ بھی۔ بہت سے لوگوں نے کتابت کو ذریعۂ معاش کے طور پر بھی اختیار کر رکھا تھا جس کا وہ کم سے کم معاوضہ لیتے تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ خود عالم گیر رزق حلال کی غرض سے اس مقدس پیشہ کو اختیار کیے ہوئے تھا۔ اورنگ زیب کے ہاتھ سے کتابت کیے ہوئے قرآن کریم کے متعدد نسخے ہند و بیرونِ ہند کی مختلف لائبریریوں میں محفوظ ہیں۔

عہد عالم گیری کے ایک معروف عالم ومحدث اور مفسر سید جعفر بدر عالم احمد آبادی (م ۱۰۸۵ھ/ ۱۶۷۵ء) قرآن کریم کے قلمی نسخوں کی نقلیں خود لکھا کرتے تھے اور اس تیز رفتاری سے لکھا کرتے تھے کہ ۵۴ /گھنٹوں میں پورا قرآن مجید لکھ لیتے تھے۔(۱۰)

تصنیف وتالیف: عہد عالمگیری میں قرآنی علوم سے رغبت اور علم تفسیر سے دلچسپی صرف مرّوجہ کتب کے پڑھنے پڑھانے اور تفسیری درسیات کے سمجھنے سمجھانے تک محدود نہ تھی بلکہ اس علم کے ماہرین نے اسے تصنیف وتالیف کا بھی موضوع بنایا اور مروجہ درسیات پر شروح وحواشی لکھنے کے علاوہ قرآن کریم کی ترجمانی وتشریح میں مستقل تصنیفات بھی پیش کیں۔ان تفسیری تخلیقات کے لیے عربی اور فارسی دونوں ہی زبانوں کو اظہارِ خیال کا ذریعہ بنایا گیا۔

قرآن مجید کے آیاتِ احکام کی تشریح میں عہد عالمگیری کا ایک روشن، شاہ کار اور طبع زاد عربی تصنیف تفسیر احمدی (التفسیرات الاحمدیہ فی بیان الآیات الشرعیہ) ہے۔غالباً اپنے موضوع پر اسلامی ہند کی یہ پہلی تصنیف ہے جو اس قدر عالمانہ انداز میں تصنیف کی گئی جس کی شہرت پوری دُنیا میں ہے۔

ڈاکٹر محمد سالم قدوائی تفسیر احمدی کی انفرادی حیثیت واہمیت کو بتاتے ہوئے لکھتے ہیں: ویسے تو تمام ہی مفسرین آیاتِ قرآن کی تشریح وتوضیح کرتے وقت مسائل کی طرف بھی اشارہ کر دیتے ہیں۔ بعض سیر حاصل بحثیں کرتے ہیں لیکن ملا جیون نے الگ سے یہ کام کر کے ایک بڑا کارنامہ انجام دیا ہے۔(۱۱)

ڈاکٹر علاء الدین خان، عہد عالم گیری میں فارسی زبان میں سب سے اہم تصنیف کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اورنگ زیب عالم گیر کے عہد میں دیگر علوم وفنون کے ساتھ تفسیر کو بھی فروغ حاصل ہوا، جس میں بادشاہ کی ذاتی دلچسپی اور توجہ کو خاص دخل تھا۔ اس دور کی اہم فارسی تفسیروں میں محمد صدیق علوی کی مرتب کی ہوئی تفسیر، تفسیر امینی کے نام سے مشہور ہوئی، لیکن سب سے اہم تفسیر نعمت عظمیٰ ہے، جس کا ایک نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال میں محفوظ ہے جو، اورنگ زیب کے نام معنون ہے۔ (۱۲)

عہد عالمگیری میں قرآنِ کریم کی تفسیر کے لیے مفسرین نے جو اسلوب واندازِ بیان اختیار کیا وہ بھی تنوع وندرت سے بھرپور تھا۔ اس عہد کی تفسیری کتب کا مطالعہ اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ کسی مصنف نے فقہی مسائل کی وضاحت پر زور دیا، تو کسی نے اس کی ترجمانی میں صوفیانہ رنگ کا امتزاج کیا، بعض نے قرآنی الفاظ کی لغوی تحقیق کی اور اس کے ادبی محاسن نمایاں کرنے پر توجہ دی، تو کچھ ایسے ماہرین بھی تھے جنھوں نے آیاتِ احکام کی عالمانہ تشریح پر زور دیا۔

عہد عالم گیری کی تفسیری تصنیفات میں جن اہم کتب تفاسیر و علومِ قرآن کا علم ہوسکا ہے اس کی ایک اجمالی فہرست مصنف، فن، زبان اور سنہ اشاعت کی تفصیل کے ساتھ حسب ذیل ہے:

التفسیرات الاحمدیہ فی بیان الآیات الشرعیہ (عربی/مطبوع)، ملا احمد جیون (م ۱۱۳۱ھ/ ۱۷۱۸ء)، تصنیف ۱۰۶۹ھ/ ۱۶۵۸ء (۱۳)

الجداول النورانیہ فی استخراج آیات القرآنیہ (عربی/ قلمی)، ناصر بن حسین حسینی، (۱۴)

انوار الفرقان و ازہار القرآن (عربی/قلمی)، شیخ غلام نقشبند لکھنوی، (م ۱۲۶ا ھ/ ۱۷۱۴ء) سنہ تصنیف ۱۱۰۱ھ (۱۵)

تفسیر القرآن (عربی/قلمی)، ملا شاہ محمد بدخشی (م ۱۰۷۲ھ) (۱۶)

تفسیر امینی (فارسی/قلمی)، محمد صدیق علوی (۱۷)

تفسیر سورۃ الفاتحہ (عربی/قلمی)، محمد نور الحق دہلوی (م ۱۰۷۳ھ) (۱۸)

تفسیر سورہ فاتحہ، ملا عبداللہ سیالکوٹی (۱۹)

تفسیر نعمت عظمیٰ (فارسی/قلمی)، نعمت خاں عالی (م ۱۷۰۹ء)، سنہ تصنیف ۱۷۰۳ء، دوجلدیں (۲۰)

ثواقب التنزیل (عربی/قلمی)، علی اصغر قنوجی (م ۱۱۴۰ھ/ ۱۷۲۸ء) (۲۱)

حاشیہ تفسیر بیضاوی (/قلمی)، یعقوب بنانی لاہوری (م ۱۰۹۸ھ/ ۱۶۸۷ء) (۲۲)

حلیۃ القاری، احمد بن رکن الدین حسینی، سنہ تکمیل ۱۶۸۴ء (۲۳)

خلاصہ وانتخاب شاطبی/ رسالہ علم القرأت، (عربی/قلمی) احمد جیون امیٹھوی (م ۱۱۳۱ھ/ ۱۷۱۸ء) (۲۴)

رسالہ فی القرأۃ، شیخ احمد بن رضا حیدرآبادی (۲۵)

زبدۃ التفاسیر (عربی/ فارسی)، معین الدین کشمیری (م ۱۰۸۵ھ) سنہ تصنیف ۱۰۷۱ھ (۲۶)

زبدۃ التفاسیر للقدماء المشاہیر، (عربی/قلمی) قاضی شیخ الاسلام گجراتی، سنہ تصنیف ۱۰۹۳ھ (۲۷)

زیب التفاسیر (فارسی/قلمی)، صفی الدین ولی قزوینی (م ۱۰۹۰ھ) سنہ تصنیف ۱۰۸۱ھ/ ۱۶۷۱ء، پانچویں جلد، ۱۰۸۷ھ/ ۱۶۷۷ء (۲۸)

شرح القرآن (فارسی/قلمی)، معین الدین کشمیری (م ۱۰۸۵ھ)، سنہ تصنیف ۱۰۷۲ھ (۲۹)

مجمع الفوائد (عربی/قلمی)، قلی بن پادشاہ قلی، سنہ تصنیف ۱۱۱۱ھ (۳۰)

معرفۃ القراء، عبدالرحیم بن یوسف (۳۱)

مفید القرا، نعمت اللہ لاہوری، سنہ تکمیل ۱۶۷۸ء (۳۲)

نجاۃ القاری، میر سید علی الخطلانی (۳۳)

نجوم الفرقان (عربی/قلمی)، مصطفی بن محمد سعید جون پوری، سنہ تصنیف ۱۶۹۳ء (۳۴)

علوم قرآن کے باب میں مندرجہ بالا کتب تفسیر کو موضوعاتی اعتبار سے چار حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ مکمل تفسیریں: اس کے تحت وہ تفسیریں ہیں جو پورے قرآن مجید کی شرح وتوضیح پر مشتمل ہیں خواہ وہ مکمل ملتی ہوں یا اُن کا کوئی حصہ۔ اس کے تحت زبدۃ التفاسیر، ثواقب التنزیل، زبدۃ التفاسیر للقدماء المشاہیر اور تفسیر نعمت عظمیٰ آتی ہیں۔

۲۔ نامکمل تفسیریں: اس کے تحت ان تفسیروں کا نام لیا جاسکتا ہے جو پورے قرآن کریم کی تفسیر کے بطور مصنف نے لکھنے کا آغاز کیا لیکن وہ کسی وجہ سے مکمل نہ ہوسکی۔ اس طرح کی تفسیروں میں انوار الفرقان وازہار القرآن اور تفسیر القرآن وغیرہ کا نام لیا جاسکتا ہے۔

۳۔ جزوی تفسیریں: درج بالا فہرست میں بہت سی تفاسیر وہ ہیں جو اجزائے قرآن کی تفسیر پر مشتمل ہیں، یعنی وہ کسی خاص سورہ یا مخصوص

آیت کی مستقل تفسیر ہے۔اس طرح کی تفسیروں میں تفسیر سورہ فاتحہ، ملا عبداللہ سیالکوٹی، تفسیر سورۂ فاتحہ، محمد نور الحق بن شیخ عبدالحق دہلوی، تفسیر سورۂ اعراف مع حواشی، تفسیر سورہ مریم، تفسیر سورہ طٰہٰ، تفسیر سورہ محمد، تفسیر سورہ یوسف، تفسیر سورہ رحمن، تفسیر سورہ عم مع حواشی، تفسیر سورہ کوثر، تفسیر سورہ اخلاص از شیخ غلام نقشبند کا ذکر کیا جا سکتا ہے۔

۴-**متعلقات قرآن:** اس کے تحت ان تفاسیر کا ذکر کیا جا سکتا ہے جو متعلقات قرآن پر مبنی ہیں۔مثلاً نجوم الفرقان، مجمع الفوائد، جو بالترتیب تخریج آیات اور ضبط الفاظ قرآن کے موضوع پر ہیں۔اسی طرح علم قرأت کے مختلف پہلوؤں پر مفید القراء، حلیۃ القاری، نجاۃ القاری، رسالہ علم تجوید، رسالہ فی القرأۃ، معرفۃ القراء، وغیرہ کا نام قابل ذکر ہے۔اس طرح موضوعاتی تجزیے سے یہ بات واضح ہوکر سامنے آتی ہے کہ علم قرآن کے مختلف پہلوؤں پر عہد اورنگ زیب کے علمانے قابل ذکر خدمت انجام دیں۔

تعارف و جائزہ: اجمالی فہرست میں مندرج کتابوں میں کچھ کتابیں وہ ہیں جن کا صرف نام تاریخ وتذکرہ کی کتابوں میں محفوظ ہیں، اصل کتاب ناپید ہیں، البتہ بیشتر کتابیں اب بھی مختلف لائبریریوں میں محفوظ ہیں سردست تفصیل کیا، اختصار سے بھی ہر ایک کا تعارف وتجزیہ پیش نہیں کیا جا سکتا، اس لیے ذیل میں مذکورہ بالا کتب تفاسیر میں سے ’’مشتے نمونہ از خروارے‘‘ چند اہم کتابوں کے تعارف و جائزہ پر اکتفا کیا جا رہا ہے۔

تفسیرات احمدیہ:

یہ کتاب ملا احمد جیون (م ۱۱۳۰ھ/ ۱۷۱۸ء) کی تفسیری تصنیف ہے جو، التفسیرات الاحمدیہ فی بیان الآیات الشرعیہ اور تفسیر احمدی کے نام سے بھی مشہور ہے مگر یہ قرآن مجید کے مکمل آیات کی تفسیر نہیں ہے بلکہ اس میں آیاتِ احکام کی توضیح اور تفصیل وتفسیر کی گئی ہے۔خاص طور پر ان آیتوں سے زیادہ اعتناء کیا گیا ہے جن سے فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔یہ کتاب ملا احمد جیون کے زمانۂ طالب علمی کی یادگار ہے۔کتاب کے خاتمے کے مطابق:

صاحب کتاب نے ۱۰۶۴ھ/ ۱۶۵۳ء میں صرف سولہ برس کی عمر میں اس کتاب کی تصنیف کا آغاز کیا اور ۱۰۶۹ھ/ ۱۶۵۸ء میں یہ مکمل ہوگئی جب کہ ابھی وہ طلب علم میں مشغول تھے۔ ۱۰۷۵ھ/ ۱۶۶۴ء میں تدریس کے دوران انھوں نے اس پر نظر ثانی کی اور اس وقت بھی ان کی عمر محض ستائیس برس کی تھی۔(۳۵)

یہ کتاب عہد عالمگیری کی ایک شاہکار طبع زاد تصنیف کہی جا سکتی ہے جو اپنے زمانۂ تصنیف ہی سے درسِ نظامی کا حصہ بنی ہوئی ہے اور آج بھی مختلف اسلامی مدارس کے منتہی جماعتوں میں یہ کتاب شامل نصاب ہے۔فی الحال مدارسِ اسلامیہ میں تخصص فی الفقہ الاسلامی کے کورس میں پڑھائی جاتی ہے۔کتاب فصیح عربی زبان میں ہے، جس کی اشاعت ہندو بیرون ہند کے متعدد نشریاتی اداروں کے ذریعے ہوچکی ہے۔ ۱۲۶۳ھ/ ۱۸۴۶ء میں کلکتہ سے اور ۱۳۲۷ھ/ ۱۹۰۹ء میں بمبئی سے طبع ہو چکی ہے۔کتاب کی علمی افادیت کے پیش نظر اس کے کئی اُردو تراجم بھی اہل علم کی جانب سے کیے گئے تاکہ اردو خواں حلقہ کے لیے بھی اس سے استفادہ آسان ہوجائے۔ ۱۲۷۰ھ/ ۱۸۵۳ء میں اس کا پہلا اردو ترجمہ حافظ عبدالعلی بلگرامی نے کیا، جس کا ایک نسخہ جناب محمد عارف عمری کے مطابق سالار جنگ میوزیم میں محفوظ ہے اور طبع بھی ہو چکا ہے۔(۳۶)

اس کا ایک اور اردو ترجمہ پاکستان کے معروف عالم دین مفتی محمد شرف الدین نے کیا ہے۔یہ اردو ترجمہ ضیاء القرآن پبلیکیشنز لاہور سے ۲۰۰۶ء میں چھپ چکا ہے۔راقم الحروف کے پیش نظر دارالکتب العلمیہ بیروت سے ۲۰۱۰ء میں طبع شدہ عربی نسخہ ہے، جس کے کل صفحات کی تعداد سات سو چھتیس (۷۳۶) ہے، یہ نسخہ عبداللہ محمود محمد عمر کی تحقیق کے ساتھ شائع ہوئی ہے، آغاز کتاب میں تقدیم کے زیر عنوان دو صفحات میں مقدمۃ التحقیق ہے۔اس کے بعد ’’ترجمۃ الشیخ احمد المعروف بہ ملا جیون‘‘ کے نام سے مصنف کتاب کا دو صفحے میں اجمالی تعارف ہے۔مصنف کتاب کا یہ تعارف مولانا مسعود احمد برکاتی (استاذ جامعہ اشرفیہ مبارک پور) کے قلم سے ہے۔اس کے بعد ۷ تا ۲۰ کل ۱۳/صفحات میں مقدمۃ المصنف کے نام سے خود مصنف کتاب کا ایک پر مغز مقدمہ ہے، جس میں انہوں نے علوم قرآن پر تفصیلی گفتگو کی ہے۔اسی مقدمے میں انہوں نے علوم القرآن کے باب میں قانون تاویل پر بھی گفتگو کی ہے جو علم القرآن کا ایک اہم موضوع ہے۔اسی مقدمے میں کتاب لکھنے کے پس منظر کے ذکر کے ساتھ کتاب کی ترتیب، ماخذ ومصادر اور مشمولات کتاب کا بھی تفصیل

سے تذکرہ کیا گیا ہے۔

آیات احکام اور اس کے تحت مسائل کے بیان کے لیے اسی مقدمہ میں صاحب کتاب نے سورتوں کے اعتبار سے آیات احکام کی تفصیل پیش کی ہے کہ کن صورتو ں میں آیات احکام ہیں اور کن صورتوں میں آیات احکام نہیں ۔صاحب کتاب کے مطابق انہوں نے جس عہد میں یہ کتاب لکھی ان کے پیش نظر اس موضوع پر ماسبق مصنفین کی تصنیف نہیں تھی ۔موجودہ عہد میں آیات احکام پر متقدمین کی درجنوں تصانیف دستیاب ہیں لیکن جس عہد میں یہ کتاب لکھی گئی اس عہد میں ہندوستان میں اس موضوع پر کتابیں دستیاب نہیں تھی ،اسی لحاظ سے یہ کتاب ہندوستانی مصنفین کی آیات احکام پر اولین کتاب شمار کی جاتی ہے ۔مشمولات کتاب کی ایک فہرست تو مقدمۃ المصنف کے ضمن میں سورتوں اور اس کے تحت مستخرج مسائل کے لحاظ سے ہے جب کہ دوسری فہرست اخیر میں محتویات الکتاب کے نام سے ہے۔ مقدمے کے اختتام پر کتاب کو اورنگ زیب کے نام نہ صرف معنون کیا گیا ہے بلکہ صاحب کتاب نے اورنگ زیب کے طرز حکومت اور اس کے ذاتی فضائل کا بھی بطور خاص ذکر کیا ہے۔(۳۷)

صاحب کتاب اس موضوع پر کام کی تحریک اور عزم و ارادہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

عرصہ سے میں بڑے لوگوں کی زبان سنتا آیا تھا کہ امام غزالی نے جو علمائے اسلام میں شمار ہوتے ہیں ، انھوں نے اپنی طاقت و استعداد بھر وہ آیتیں یکجا کر لی تھیں جن سے احکام شرعیہ کا استنباط ہوتا ہے،ایسی آیات کا شمار پانچ سو سے نہ کم ہے نہ زیادہ۔(۳۸)

مگر جب انھوں نے ان آیات کو حاصل کرنے کی کوشش کی تو معلوم ہوا کہ یہ بیان درست نہیں چنانچہ انھوں نے خود اس کام کو کرنے کا فیصلہ کیا۔وہ لکھتے ہیں:

لسانِ غیبی کے حکم پر میں نے اللہ کی مدد اور توفیق کو سہارا بنا کر احکام کا استنباط کرنا شروع کر دیا۔ میں نے وہ آیات جمع کرنا شروع کر دیں جن سے میں نے قواعد و اصولِ عقائد اور مسائلِ فقہیہ کا استنباط کیا۔پھر میں نے بہترین طریقہ پر ان کی تفسیر اور شرح لکھی۔ (۳۹)

خصوصیات و امتیازات: تفسیر احمدی اپنی نوع بہ نوع خصوصیات کی وجہ سے ہر دور میں طالبانِ تحقیق و افتاء کی توجہ کا مرکز رہی ہے، اس لیے ذیل میں اس کی خصوصیات پر تفصیل سے گفتگو کو قلم بند کیا جا رہا ہے۔ یہ قرآن مجید کی مکمل تفسیر نہیں بلکہ اس میں احکام و مسائل سے متعلق آیتوں کی تشریح و توضیح کی گئی ہے۔اس تفسیر میں قرآن مجید کی اسٹھ سورتوں سے دو سو ستر احکام پر بحث کی گئی ہے اور اس کی مکمل فہرست مقدمہ میں درج کر دی گئی ہے۔ بقیہ سورتوں کے بارے میں ملاجیون نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ احکام سے خالی ہیں۔تفسیر کی ترتیب قرآن مجید کی سورتوں کے مطابق ہے۔آیات کی تشریح میں ان کے نزول کا پس منظر بھی بیان کیا ہے۔ الفاظ کی لغوی تحقیق اور فقہی مباحث میں علم کلام اور فقہ کی اہم کتابوں کی روشنی میں منطقیانہ استدلال بھی کیا ہے اور حنفی نقطۂ نظر کو نمایاں کر کے پیش کیا ہے۔ زبان و بیان دل کش و دل آویز ہے۔ سجع و قوافی کی رعایت کے باوجود ادائے مطلب میں خلل واقع نہیں ہوا ہے۔

تفسیر سورۃ الفاتحہ: یہ کتاب قرآن کریم کی جزوی تفسیر ہے جب کہ سورۂ فاتحہ کی مستقل تفسیر ہے، جس کے مصنف شیخ نور الحق بن شیخ عبد الحق دہلوی (م ۱۰۷۳ھ/ ۱۶۶۳ء) ہیں۔ ڈاکٹر زبید احمد کے مطابق: ایشیاٹک سوسائٹی بنگال میں اس کا ایک قلمی نسخہ محفوظ ہے۔(۴۰)

تفسیر سورہ فاتحہ (نسخہ بنگال) جس کا نمبر ۱۰۷ ہے۔اس میں کل ۵۵/اوراق ہیں۔ یہ نسخہ اگرچہ کرم خوردہ ہے لیکن آسانی سے پڑھا جا سکتا ہے۔خطبہ کے بعد مصنف نے تصنیف کا پس منظر اس طرح بیان کیا ہے: میں نے معقولات میں کمال حاصل کرنے کے بعد قرآن مجید کے اسرار اور تفسیری باریکیوں پر نظر ڈالی اور خدا کی مدد سے ان دقائق کے بیان میں کامیابی حاصل ہوئی جو اصحاب نظر اور ارباب دقائق سے پوشیدہ رہے تھے۔(۴۱)

خاتمہ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ سورہ فاتحہ کی تفسیر کے بعد انہوں نے سورہ بقرہ کی تفسیر کا بھی آغاز کیا تھا لیکن ایک دو آیت سے آگے نہیں بڑھ سکے۔ غالباً ان کا خیال پوری قرآن مجید کی تفسیر کا رہا ہو اگر یہ تفسیر مکمل ہو جاتی تو اسرار قرآن اور حقائق تنزیل کے بیان میں عہد عالم گیری کی یہ ایک اہم تفسیر ہوتی۔

اس کتاب کی خصوصیات حسب ذیل ہیں:

۱۔آیات کی تفسیر کے ضمن میں مصنف نے مسائل کا بھی ذکر کیا

ہے ۲۔مسائل وتشریحات کے ضمن میں احادیث وآثار بھی نقل کیے گئے ہیں۔ ۳۔شان نزول کو بھی بیان کیا گیا ہے۔اور اس سلسلے میں مفسرین کے اختلاف کو بھی پیش کیا ہے۔سورہ فاتحہ مکی ہے یا مدنی اس سلسلے میں اختلاف مفسرین کو بڑی وضاحت سے نقل کیا گیا ہے۔ ۴۔الفاظ کی تشریحات کے ضمن میں لغوی ونحوی تشریح بھی کی گئی ہے۔ ۵۔اختلاف قرأت کے ذکر کا خصوصی اہتمام کیا گیا ہے۔ ۶۔فضائل ومسائل کے ذکر میں احادیث واقوال کو بھی پیش کیا گیا ہے۔

اس طرح پوری کتاب کے مطالعے کے بعد سامنے آتا ہے کہ مصنف نے سورہ فاتحہ کی تفسیر میں عالمانہ وفلسفیانہ اسلوب کا استعمال کیا ہے۔ڈاکٹر محمد سالم قدوائی لکھتے ہیں:

اس کتاب میں مصنف نے مفصل طریقے پر ہر ہر لفظ کی تشریح کی ہے۔ساتھ ہی گرامر اور فنی اختلاف کی بھی توضیح کرتے گئے ہیں۔کسی لفظ کو اگر مختلف لوگ مختلف طریقے سے پڑھتے ہیں (اختلاف قرأت) تو اس کو بھی ظاہر کردیا گیا ہے۔ان کا انداز یہ ہے کہ پہلے آیت لکھتے ہیں، پھر اس کی تلاوت کس طرح کی جاتی ہے یہ بیان کرتے ہیں،اس کے بعد الفاظ کی لغوی تشریح کرتے ہیں، اور آخر میں مطلب بیان کرتے ہیں اور جو مسائل بھی اس سے متعلق ہو سکتے ہیں سب کو بیان کردیتے ہیں ان کا انداز بیان کچھ فلسفیانہ ہوگیا ہے جس کو سیدھے سادھے معانی ومطالب کی ضرورت ہے اس کے لیے اس کتاب میں بڑی الجھن ہوگی۔(۴۲)

حوالہ جات

(۱) حافظ ضیاء اللہ بلگرامی (م ۱۶۹۷ء) بلگرام کے سادات اور وہاں کے نامور علما میں سے تھے۔حافظ وقاری ہونے کے علاوہ عربی و فارسی زبان کے ماہر بھی تھے۔ان کا خاص مشغلہ درس وافادہ تھا۔
(مآثر الکرام، غلام علی آزاد بلگرامی، مطبع مفید عام، آگرہ ۱۳۲۸ھ/ ۱۹۱۰ء ص ۲۳۹-۲۴۰۔تذکرہ علمائے ہند، مولوی رحمن علی، مطبع نول کشور لکھنو ۱۹۱۴ء ص ۸۵)

(۲) عہد سلطنت میں علم قرأت، ڈاکٹر ظفر الاسلام، مشمولہ مجلہ دراسات دینیہ (۱۹۹۰ء-۱۹۹۱ء) فیکلٹی آف تھیالوجی، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، ص ۲۲۷

(۳) تذکرۂ مفسرین ہند، عارف عمری، دار المصنفین اعظم گڑھ ۱۹۹۵ء ص ۱۳۳ (۴) ایضاً۔ ۱۲۳

(۵) نزہۃ الخواطر جلد دوم مولانا سید عبدالحی رائے بریلوی، دار ابن حزم بیروت ۱۴۲۰ھ/ ۱۹۹۹ء ص ۶۷۷

(۶) تذکرۂ مفسرین ہند، جلد اول، عارف عمری، دار المصنفین اعظم گڑھ ۱۹۹۵ ص ۱۵۹ (۷) ایضاً

(۸) مآثر الکرام، غلام علی آزاد بلگرامی، مطبع مفید عام، آگرہ ۱۳۲۸ھ/ ۱۹۱۰ء ص ۲۵۰

(۹) ابجد العلوم، جلد سوم، نواب صدیق حسن خاں، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۹۷۸ء ص ۲۶۱-۲۶۲

(۱۰) علم حدیث میں برعظیم پاک و ہند کا حصہ، ڈاکٹر محمد اسحق، ترجمہ شاہد حسین رزاقی، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی ۱۹۸۳ء ص: ۱۹۵

(۱۱) ہندوستانی مفسرین اور ان کی عربی تفسیریں، ڈاکٹر محمد سالم قدوائی، مکتبہ جامعہ، نئی دہلی ۱۹۷۳ء، ص ۲۳۷

(۱۲) عہد اورنگ زیب میں علما کی خدمات، ڈاکٹر علاء الدین خان، البلاغ پبلی کیشنز نئی دہلی ۲۰۱۳ ص ۱۹۱

(۱۳) مناقب الاولیاء (خود نوشت) ملا احمد جیون امیٹھوی عکس مخطوطہ الاحسان لائبریری، خانقاہ عارفیہ، کوشامبی، الہ آباد، ورق ۳۳

(۱۴) ہندوستانی مفسرین اور ان کی عربی تفسیریں، ڈاکٹر محمد سالم قدوائی، مکتبہ جامعہ، نئی دہلی ۱۹۷۳ء، ص ۲۵۲

(۱۵) مآثر الکرام، غلام علی آزاد بلگرامی، مطبع مفید عام، آگرہ ۱۳۲۸ھ/ ۱۹۱۰ء ص ۲۱۶

(۱۶) نزہۃ الخواطر، جلد دوم، سید عبدالحی رائے بریلوی، دار ابن حزم بیروت ۱۴۲۰ھ/ ۱۹۹۹ء ص ۵۳۶

(۱۷) عہد اورنگ زیب میں علما کی خدمات، ڈاکٹر علاء الدین خان، البلاغ پبلی کیشنز نئی دہلی ۲۰۱۳ ص ۱۹۱

(۱۸) حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی خلیق احمد نظامی، ندوۃ المصنفین دہلی ص ۲۶۰

(۱۹) عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ، ڈاکٹر زبید احمد، ترجمہ شاہد حسین رزاقی، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۹۹ء ص ۱۷۳

(۲۰) ششماہی مجلہ علوم القرآن، جولائی تا ستمبر علی گڑھ ص ۱۳۲

(۲۱) تذکرہ علمائے ہند، مولوی رحمن علی، مطبع نول کشور لکھنو ۱۹۱۴ء ص ۱۴۲

(۲۲) فرحت الناظرین، محمد اسلم پسروی، (اردو ترجمہ) پروفیسر ایوب قادری، ایجوکیشنل پرنٹنگ پریس کراچی، ۱۹۷۲ء ص ۱۲۳

(۲۳) مجلہ دراسات دینیہ، فیکلٹی آف تھیالوجی، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، ۱۹۹۰ء-۱۹۹۱ء ص ۲۲۸

(بقیہ صفحہ ۲۶ پر دیکھیں)

منظر نامہ

ریاست بہار کے علاقے سیمانچل میں

خشک سالیوں، طوفانوں، زلزلوں اور قیامت خیز سیلابوں کی تباہ کاریاں

ڈاکٹر غلام جابر شمس پورنوی★

قدیم پورنیہ کو تاریخ میں 'ملک پورنیہ' سرکار پورنیہ، ریاست پورنیہ، کہا گیا ہے، کبھی یہ 'حضرت پورنیہ' اور 'پورنیہ شریف' بھی رہا ہے۔ مالدہ، مونگیر، سہرسہ، مدھے پورہ میں بھی اس کے کچھ رقبے کاٹ کر ملائے گئے ہیں۔ مختلف وقتوں میں اس کا الگ الگ حصہ بنایا گیا۔ الگ الگ جدید ضلع بنتا گیا۔ اتر دیناج پور، کٹیہار، کشن گنج، ارریہ اضلاع جدیدہ کبھی پورنیہ ہی کے اٹوٹ انگ تھے۔ کرن دیگھی، گوال پوکھر، کشن گنج کا کچھ حصہ، اسلام پور، چوپڑا اور ٹھاکر گنج کا کچھ حصہ' یہ کوئی چھ تھانے تھے، جن کا مجموعی رقبہ ۷۵۹ مربع میل تھا۔ ۱۹۰۶ء تک یہ وسیع رقبہ قدیم پورنیہ ہی کے بازوئے مضبوط تھا۔ سنہ مذکورہ میں کاٹ کر مغربی بنگال میں ملا دیا گیا۔ ورنہ اُدھر ناگرندی کے ساحل تک پورنیہ ہی کا پرچم لہراتا تھا۔

قدیم پورنیہ کا ایک بڑا رقبہ سرجاپوری یا سیمانچل کہلاتا ہے۔ قدیم پورنیہ کو دوآبہ، سہ آبہ، چہار آبہ کہنا درست نہیں، اسے آپ دہ آبہ، سی آبہ، چہل آبہ کہیے یا پھر صد آبہ کہہ دیجئے کیوں کہ یہ کچھ نشیبی بھی ہے۔ آبی وسیلابی خطرے بھی ہیں، کبھی یہ خطہ خشک سالیوں، قحط زدگیوں اور زلزلوں کی مار جھیلتا رہا ہے، تو کبھی بردوباراں، طوفان بے اماں، سیلاب بے درماں کا شکار ہوتا رہا ہے۔ آج کی صحبت میں ہم چاہتے ہیں کہ تاریخ کے جھروکوں سے زمینی، آسمانی، طوفانی اور سیلابی تباہ کاریوں کا ایک سرسری جائزہ قارئین کی خدمت میں پیش کریں۔

مولانا محمد اسماعیل رموزی کامیاب طنز ومزاح نگار گزرے ہیں۔ یہ باراعیدگاہ، تحصیل امور، پورنیہ سے کبھی ماہنامہ 'طوفان' نکالتے تھے۔ ان کی ایک طنزیہ یا مزاحیہ عبارت ضیافت طبع کے لئے یہاں پیش کی جاتی ہے۔ اس سے اندازہ ہوگا کہ یہاں سیلابی تباہ کاریاں کیسی قیامت کی ہوا کرتی ہیں۔ مولانا رموزی لکھتے ہیں:

'میں جتنا بھر مضمون نگار ہوں، وہ من آنم کہ من دانم۔ ہاں! کبھی جی میں آیا، تو نوک قلم سے گھسیٹ مارا۔ انہیں گھسیٹیات عالیہ کی اشاعت کے لئے رسالہ 'طوفان' کا اجرا عمل میں آیا تھا۔ 'طوفان' تھما، تو ارادہ ہوا کہ 'سیلاب' نکالا جائے، مگر قدرت نے سیلاب کا اتنا بڑا ضخیم ایڈیشن مبعوث فرمایا کہ امیدوں پر بانسوں پانی چڑھ گیا اور ساری تمنائیں تہ آب ہو کر رہ گئیں۔ اب خیال ہے کہ 'سیلاب' کا منبع 'ہمالیہ' ہی نکالا جائے، اور موسم وموقع کے لحاظ سے اس کے بارش نمبر، ابروباد نمبر، بجلی اور کڑک نمبر، کوسی پروجیکٹ نمبر، مہاندی اور پنار نمبر، کنکئی اور پروان نمبر نکالے جائیں۔ قدرت کی اعانت ہوئی، تو پھر بہار غرقاب نمبر، آسام تہہ آب نمبر اور دربھنگہ برباد نمبر نکالنا کوئی بڑی بات نہیں ہے۔''

یہ تو نثر ہوئی، نظم کے بھی کچھ اشعار سے بچشم تصور نظارۂ بردوباراں، سیلاب وطوفاں کر ہی لیجئے۔ قاضی جلال ہری پوری کامیاب شاعر گزرے ہیں۔ اپنے نواسے قاضی محمد تشہیر کے نام ایک منظوم خط میں طوفانی وسیلابی تباہ کاریوں کی کچھ اس طرح منظر کشی کرتے ہیں:

ہے بہت ناگفتہ بہ گاؤں کا حال
ہو گئے ہیں لوگ سارے پائے مال
آج کل سیلاب ہے آیا ہوا
ابر بھی ہے ہر طرف چھایا ہوا
چل رہی ہے آندھی جیسی ہوا
گاہِ پچھوا اور گہے باد صبا
اس کی زد میں آ گئے صدہا مکاں
گر گئے کچھ جھک گئے اف الاماں
سیکڑوں انسان بے گھر ہو گئے
چرخ نیلی فام چھپر ہو گئے

مولانا محمد مبارک رضوی سیمانچل کے بہت کامیاب شاعر ہیں۔

وہ وہاں کے سیلاب کا نقشہ اس طرح کھینچتے ہیں:

ندیاں کنکی مہندی داس اور پروان میں
باٹسی کی سرزمیں آباد ہے طوفان میں
یہ ندی بارہ مہینے جاری رہتی ہے یہاں
پار ہونے کے لئے کشتی بھی چلتی ہے یہاں
جھوم کر آتا ہے موسم جب یہاں برسات کا
رخ بدل دیتا ہے پانی وقت کے حالات کا
سال میں آتا ہے جب جب ماہ ساون جھوم کے
پانی آ جاتا ہے دامن ہمالہ چوم کے
پانی جو کوہ ہمالہ پر بہت بیتاب تھا
باٹسی میں آتے ہی وہ صورت سیلاب تھا
جب یہاں انسان کھیتیوں پر جماتے ہیں نظر
فصل کم پانی زیادہ ان کو آتے ہیں نظر
دیکھ کر کھیتی کی حالت روتے ہیں سارے کسان
غم کے آنسو سے خوشی کو دھوتے ہیں سارے کسان
اپنے سر پر ہاتھ رکھ کر سوچتے رہتے ہیں وہ
اپنے اپنے دل میں یہ سیلاب سے کہتے ہیں وہ
کھیت اور کھلیان زیر آب منظر ہولناک
لے کے آتا ہے عجیب سیلاب منظر ہولناک
اس طرح سیلاب ہر نقشہ کو دیتا ہے بدل
تیرتے ہیں ایسے گاؤں جیسے پانی پر کنول
باٹسی کی سرزمیں تجھ کو سدا پائندہ باد
ہے مبارک بھی تری دھرتی کا بیٹا زندہ باد

قدیم پورنیہ کبھی ایک بڑا ضلع تھا۔ اہل پورنیہ شمال میں کوہ ہمالہ کی چوٹی کو نظروں سے دیکھ سکتے تھے۔ ادھر دارجلنگ کی خنک ہواؤں سے محظوظ ہوتے تھے۔ مغربی بنگال کی میٹھی مدھر بولیوں سے بھی لطف اندوز ہوتے تھے، جنوب مغرب میں کوسی اور گنگا کی لہروں، طغیانیوں سے بھی مزہ اٹھا لیتے تھے۔ خود اس کی چھاتی پر درجنوں اور ندیاں رواں دواں تھیں اور ہیں، جن میں کچھ تو سالوں بھر بہتی رہتی ہیں اور کچھ بارش وسیلاب کے زمانے میں بھرتی ہیں پھر خشک ہو جاتی ہیں۔ ان ندیوں سے فائدے بھی ہیں اور نقصانات بھی۔

جہاز رانی، کشتی بانی، آب پاشی کی وجہ سے تجارت وزراعت کی پیداوار اور اپجاؤ میں یہ ندیاں نہایت معاون ہیں مگر بارش اور سیلاب کے زمانے میں یہی ندیاں قہر ساماں بن جاتی ہیں۔ فصلیں، مویشیاں اور مکانات کبھی خراب ہوتے ہیں، کبھی ڈھہ جاتے ہیں اور کبھی بہہ جاتے ہیں۔ ندیاں جب زوروں پر آتی ہیں تو بستیاں پانی کی سطح پر تیرتے دیکھائی دیتی ہیں۔ انسانی جان بچانا ہی مشکل ہو جاتا ہے تو پھر ایسی صورت میں مویشی اور کھیتی کو کون پوچھتا ہے۔ جانی ومالی، معاشی وزراعتی وتجارتی ایسی بھاری تباہی ہوتی ہے کہ پھر انسان برسوں کمر سیدھی نہیں کر پاتا ہے۔

مہانندا، کنکئی، کوسی، پراون، پنار، ناگر، ڈونک، داس، سورا، مچھی، بوڑھی، گنگی جیسی دسیوں ندیاں ہیں، جن کے کٹاؤ، بہاؤ سے یہ خطہ ہمیشہ پریشان حال رہتا ہے، حکومتی سطح پر ندیوں کو کنٹرول کرنے کا کئی بار پروجیکٹ بھی بنایا گیا، مگر وہ سارے پروجیکٹس ہر بار محض خواب وسراب ہی ثابت ہوئے۔

۱۷۷۰ء کی خشک سالی، قحط سالی اور آتش زدگی: ۱۷۷۰ء ہی میں پورنیہ میں مسلم دور حکومت کا پرچم سرنگوں ہوا۔ اسی سال پورنیہ پر استعماری قوت کا تسلط یا تغلب ہوا۔ یوں تو یہ خطہ دور قدیم سے ارضی، سماوی، سیلابی آفات سے تباہ وبرباد ہوتا چلا آرہا ہے، لیکن ۱۷۷۰ء کی خشک سالی اور آتش زدگی کا جواب نہیں۔ پورنیہ کا چرخ نیلی فام اہل پورنیہ سے روٹھ گیا۔ اس خطہ پر اس برس بارش کا ایک قطرہ بھی نہیں ٹپکا۔ ندی، نالے، جھیل، جوہڑ، پوکھر، تالاب، حتیٰ کہ کنوئیں بھی سوکھے پڑے تھے۔ دوب، گھاس کی کیا اوقات، جھیل، جھاڑیاں، درختوں، باغات کا سوکھ کر برا حال تھا۔ مویشیوں کی اموات سے ہر طرف تعفن پھیل چکا تھا۔ بھوک، پیاس، تپش، تمازت کی شدت سے انسانوں کی جہاں تہاں لاشیں اٹی پڑی تھیں۔

مسٹر ڈکری انگریز سپروائزر اور ریاستی وزیر محمد رضا خان کی رپورٹ کے مطابق انسانوں اور جانوروں کی نعشوں کے سڑنے اور گلنے کی وجہ سے وبائی امراض تیزی سے پھیل گئے تھے۔ روزانہ سیکڑوں لاشیں بغیر کفن کے دفنائی جارہی تھیں۔ مفلسی، فلاکت اور ہلاکت نے ایسی مجبوری پیدا کر دی تھی کہ کئی لوگ اپنے بچوں کو بیچنے کے لئے تیار ہو گئے تھے، مگر کوئی خریدار نہیں تھا۔ لوگ ادھر ادھر بھاگنے لگے،

قہر بالائے قہر یہ گرا کہ آتش زدگی کے اچانک حادثے نے ہاہا کار مچادیا اور کیا آبادی، کیا ویرانہ، ہر ہر طرف چٹیل میدان ہی نظر آنے لگا۔ بچا کھچا غلہ اناج بھی جل کر خاکِ سیاہ ہو گیا۔ لوگ جنگلی جانوروں کے گوشت کھا کر گزارہ کرنے لگے۔ اس قحط سالی اور آتش زدگی کے تخمینہ میں دو لاکھ لوگ لقمۂ اجل ہو گئے تھے۔

۱۷۸۳ء کی خشک سالی: ۱۷۷۰ء کی قیامت خیزی سے جو لوگ بچے رہے، دھیرے دھیرے ان کی زندگی معمول پہ آنے لگی۔ کسی حد تک حالات پر قابو پالیا گیا۔ مگر تیرہ برس کے بعد ۱۷۸۳ء میں پھر اسی طرح کی خشک سالی پیدا ہوگئی۔ ڈسٹرک گزیٹیر کے رپورٹر مسٹر ڈبلوڈاگلاس نے اس قحط کا جائزہ لیا۔ ۲۳ رستمبر ۱۷۸۳ء کی رپورٹ میں لکھا کہ اس خشک سالی کی وجہ سے جو غذائی بحران پیدا ہوا، اس سے انسانوں کی ایک بڑی تعداد موت کے گھاٹ اتر گئی۔ ضروریات زندگی کی چیزوں کی قیمت اتنی بڑھ گئی کہ لوگوں کی قوت خرید سے باہر ہوگئی۔ برطانوی حکومت نے انسدادی کاروائی تو کی، لیکن وہ بالکل نا کے برابر تھی۔

۱۷۸۸ء اور ۱۷۹۱ء کا سیلاب: ۱۷۸۳ء کی خشک سالی سے جو صورت حال پیدا ہوئی تھی، اب وہ صورت معتدل ہو رہی تھی۔ پیداوار میں بھی اضافہ ہو رہا تھا۔ مگر ۱۷۸۸ء میں موسم کا تیور یک لخت بدل گیا پھر تین برس کے بعد موسم نے یہی تیور دکھایا۔ بے موسم کی برسات نے جہاں تہاں سیلاب بے اماں لا دیا۔ ندی نالے جھیل ابل گئے۔ آبادی زیر آب آ گئی۔ جوٹ اور بھدوی دھان کی فصل تباہ ہوگئی۔ یہ بارش وسیلاب ماہ مئی، جون ہی میں آ گیا تھا۔ پھر جب اگھنی دھان کی روپنی کا وقت آیا، تو نہ بارش ہوئی، نہ سیلاب آیا جس کی وجہ سے یہ اہم فصل، جو وہاں کی اہم ترین فصل ہوتی تھی، اس کی کاشت نہ ہو سکی۔ اس بلائے ناگہانی میں اہل پورنیہ کو فاقہ کی نوبت نہیں آئی کہ حکومت وقت نے حفظ ماتقدم کے طور پر غدائی اجناس کا وافر ذخیرہ اکٹھا کر رکھا تھا، جو بر وقت کام آیا۔ ۱۷۸۶ء کو ایک لاکھ پچاس ہزار اور ۱۷۸۷ء کو پچہتر ہزار آٹھ روپیے کا غلہ خرید کر حکومت نے اسٹور کر لیا تھا۔

۱۸۶۵ء کا جنگی ماحول، ۱۸۶۶ء کا قحط: ۱۸۶۵ء میں اہل پورنیہ اور بھوٹانیوں میں جنگ چھڑ گئی تھی جس میں بھوٹان کو شکست سے دو چار ہونا پڑا تھا۔ ابھی جنگ کے اثرات باقی ہی تھے کہ ۱۸۶۶ء میں پورنیہ پر خشک سالی کا منحوس سیاہ سایہ پڑ گیا۔ غلہ ختم ہو چکا تھا۔ فصلیں جل کر تباہ ہو گئیں تھیں، جنگ اور قحط سے پہلے اناج کا بھاؤ فی روپیہ چھبیس سیر تھا۔ اب وہی اناج ایک روپیہ میں نو سیر ہو گیا۔

۱۸۷۳ء کا قحط، ۱۸۷۴ء کا سیلاب: سات برس بعد پورنیہ پر پھر قحط پڑا۔ ۱۸۷۳ء میں خشک سالی رہی۔ فصلیں یا تو اگائی نہیں گئیں یا اپجائی نہیں ہوئی۔ تو بر بنائے خشک سالی جل کر راکھ ہو گئیں۔ ابھی یہ ہلاکت وفلاکت کا ماحول تھا ہی کہ ۱۸۷۴ء میں زبردست سیلاب آ گیا اور تمام فصلیں زیر آب ہو کر بہہ گئیں۔ ایک غلے کی کمی، اس پر ایندھن اور جلاون کا مسئلہ بھی پیدا ہو گیا۔ ہر طرف مایوسی، کسمپرسی، محرومی کا بادل گھرا ہوا تھا۔ پورے خطے میں پانی ہی پانی گھس آیا تھا۔ مویشی چارہ کے بنا، انسان اناج کے بغیر دم توڑ رہے تھے۔ برطانوی راج نے جو امدادی وراحتی اسکیم چلائی، وہ اونٹ کے منہ میں زیرہ ثابت ہوئی۔ نتیجہ میں باشندگان پورنیہ مفلوک الحال ہو کر رہ گئے اور بلاک قصبہ، بلاک دھمدھا اور بلاک بلرام پور زیادہ متاثر ہوا تھا۔

۱۸۹۱ء کا سیلاب، ۱۸۹۲ء کی خشکی: لگتا ہے پورنیہ کی قسمت میں یا تو سیلاب لکھا ہوا تھا یا پھر خشک سالی کی بربادی لکھی تھی کہ یوں دونوں میں آنکھ مچولی ہوتی رہی۔ سولہ سترہ برس کے بعد پھر سیلاب چڑھ آیا تھا۔ جوٹ اور اگھنی کی کھیتی سڑ گل کر ختم ہوگئی۔ ۱۸۹۱ء میں جو گھٹائیں جم کر برس کر تباہی مچادی تھیں، وہی گھٹائیں ۱۸۹۲ء میں بالکل تھم گئیں۔ نہ ایک قطرہ گرا، نہ ایک بوند ٹپکی جس کی وجہ سے جوٹ، دھان، ربیع کی پیداوار بالکل نہ ہو سکی۔ اہل پورنیہ تباہ حال ہو کر رہ گئے۔ حکومت وقت نے ریلف کا کام ۳۰ رجنوری ۱۸۹۲ء کو شروع کیا، تو یہ راحتی کام ۱۷ رجون ۱۸۹۲ء تک چلتا رہا۔ پورنیہ ڈسٹرکٹ گزیٹیر کی رپورٹ کے مطابق ان راحتی کاموں سے اہل پورنیہ کو کچھ نہ کچھ راحت وسکون نصیب ہوا۔

۱۸۹۷ء کی قحط سالی: ۱۸۹۷ء کو پورے سال بارش نہیں ہوئی۔ زمین قطرہ کو، انسان دانہ کو ترس کر رہ گیا۔ بھوک، پیاس، قحط، وبا کی وجہ سے لوگ مرکھپ رہے تھے۔ نفسی نفسی کا عالم تھا۔ کوئی کسی کا حامی ومددگار نہیں تھا۔ یہاں وہاں مویشی مرے پڑے تھے۔ انسانی لاشیں بکھری پڑی تھیں، جو گرکس، کاگ، زاغ وزغن کی خوراک بن

رہی تھیں۔ حکومتی راحت کاری بے سود ثابت ہو رہی تھی۔ اس سال اس قحط سے صرف پورنیہ نہیں متاثر ہوا تھا، بلکہ پورا ہندوستان اس کی لپیٹ میں آ گیا تھا۔

۱۹۰۶ء کا سیلاب: ۱۸۹۷ء کی خشک سالی کے آٹھ برس بعد ۱۹۰۶ء میں ایک مہیب سیلاب آ گیا۔ پورا پورنیہ پانی کی تہوں میں ڈوب کر رہ گیا۔ لوگ نان جو کو محتاج و بے بس ہو کر رہ گئے۔ ہر طرف وبائی امراض پھیل گئے۔ ہیضہ اس دور کی ایک بڑی بیماری تھی۔ ہزاروں لوگ اس کے شکار ہو گئے۔ ارریہ سب ڈویژن (جو، اب ضلع بن گیا ہے) میں ہیضہ فنڈ فراہم کیا گیا۔ اس کے کارکنان نے بائیس ہزار کی رقم سے مصیبت زدوں کو مدد پہنچائی۔ رام لال مکھرجی منڈ نے بھی لوگوں کی خاصی امداد کی تھی۔

۱۹۰۸،۹ء کی قحط سالی: ان دو برسوں میں بارش بالکل نہیں ہوئی۔ پٹ سن، چاول، ربیع کی فصل بالکل ہی نہیں ہو سکی۔ کیوں کہ اس خطہ کا انحصار زیادہ تر زراعت ہی پر تھا۔ لہٰذا مہنگائی اور گرانی کا ہونا بدیہی بات تھی۔ عوام و خواص ان دو برسوں میں کافی دقتیں جھیلیں۔

۱۹۱۷، ۱۸ء کا سیلاب: یہ وہ زمانہ تھا، جب جنگ عظیم اول چھڑی ہوئی تھی۔ ادھر پورنیہ میں بھیانک سیلاب آیا ہوا تھا۔ مہانندا اور دیگر ندیاں اور فلو ہو گئی تھیں۔ پانی ہر طرف بھر چکا تھا۔ زراعتیں بہہ چکی تھیں۔ آمد و رفت کے راستے مخدوش ہو چکے تھے۔ فصلیں تباہ ہو چکی تھیں۔ تلاش معاش میں لوگ یہاں سے وہاں بھٹک رہے تھے۔ حتی کہ غریب کنبہ کے لوگ گداگری پر اتار آئے تھے۔

۱۹۲۹، ۳۰، ۳۱ء کا متواتر سیلاب: ہر پانچ دس برس میں یہاں کوئی نہ کوئی ناگہانی آفت آتی رہی۔ ان پانچ دس برسوں میں لوگ جب ذرا معمول پر آنے لگتے، ماحول سازگار بنتا کہ پھر ایک نیا طوفانِ آفت آن کھڑا ہو جاتا۔ ۱۹۲۹ء سے ۱۹۳۱ء تک مسلسل تینوں برسوں میں ندیاں امنڈ گئیں۔ بارش اور سیلاب کے پانی سے گلی کوچے بھر گئے۔ لگاتار سیلابی تباہیوں نے اٹھنے کا موقع نہ دیا۔ اضمحلال و پریشانی کے عالم میں لوگ دور دراز کے مقامات کی طرف سفر کرنا شروع کر دیے۔

۱۹۳۴ء کا زلزلہ: اب تک یا تو خشک سالی تھی یا سیلابی کیفیت لیکن اب کے بار ایک نئی مصیبت دامن پسارے آ دھمکی تھی۔ یہ نئی مصیبت ۱۵؍جنوری ۱۹۳۴ء کو بھیانک زلزلہ کی شکل میں آئی تھی۔ زلزلہ ایسا تباہ کن اور روح فرسا تھا کہ پورنیہ باسی اسے فراموش نہ کر سکے۔ زلزلہ کی زد اور صدمے سے جا بجا زمین پھٹ گئی تھی۔ جگہ جگہ غار پیدا ہو گئی تھی۔ کنوئیں، چشمے پھٹ گئے تھے۔ درخت، دیوار، مکانات گر گئے تھے۔ گھاس پھوس کی جھوپڑ پٹیاں نیست و نابود ہو گئی تھیں۔ سڑکیں تہس نہس ہو چکی تھیں، الغرض قیامت صغریٰ کا جگر شگاف منظر سامنے تھا۔ یہ ایک تاریخی زلزلہ تھا۔

۱۹۳۵ء تا ۱۹۳۹ء کا سیلاب: ادھر آزادیٔ ہند کی تحریک زوروں پر تھی۔ ادھر پورنیہ میں زور آور مسلسل سیلاب کی طغیانی سے اہل پورنیہ ہچکولے کھا رہے تھے۔ متواتر ان چار برسوں میں قہر ساماں سیلاب آتا رہا۔ فصلیں برباد ہوتی رہیں۔ جانی و مالی نقصانات ہوتے رہے۔ اہل پورنیہ دانے دانے کو ترستے، تڑپتے رہے۔ کسان، مزدور، کاشتکار، زمیندار ہر ایک کو جان کے لالے پڑ گئے تھے۔

۱۹۴۸، ۴۹ء کا سیلاب: اب ملک تو آزاد ہو چکا تھا، مگر باشندگان پورنیہ کو سیلاب کی تباہ کاریوں سے آزادی نہیں ملی تھی۔ ان دو برسوں میں گنگا ندی میں زبردست سیلاب آتا رہا۔ جنوب پورنیہ جو، اب ضلع کٹیہار ہے، بے حد متاثر ہوتا رہا۔ شمال پورنیہ سے وہاں غذائی اجناس فراہم کی جا رہی تھیں۔ منیہاری اور براری تھانے میں سب سے زیادہ تباہی مچی تھی۔ گنگا کے توابع کی بستیاں غرقاب ہو چکی تھیں۔ چاہ، چارے، کھیتیاں، مویشی بہہ گئے تھے۔ ایندھن کا بھی مسئلہ پیدا ہو گیا تھا۔

۱۹۵۳ء کا سیلاب: اب یہ آزاد ہندوستان کا مادر پدر آزاد سیلاب تھا، جو پورے شمالی بہار کو اپنی لپیٹ میں لے چکا تھا۔ دیگر اضلاع کے ساتھ پورنیہ بھی اس سیلاب کی گرفت میں تھا۔ ماسبق سیلابوں کی طرح اس سیلاب نے بھی اپنا گل کھلایا۔ انسان، جانور، مکانات، کھیتی باڑیاں سب تہہ و بالا ہو کر رہ گئیں، نتیجہ میں تباہی، بربادی، بیماریاں اہل پورنیہ کی مقدر بنیں۔

۱۹۵۶ء کا سیلاب: یہ بھی شتر بے مہار آزاد سیلاب تھا۔ ماہ جون میں ایسی اندھا دھند بارش ہوئی کہ کئی ندیاں چھلک گئیں۔ کنکئی، مہانندا، مچھی، ڈونک، تپانو سب اچھل گئیں۔ کشن گنج سب ڈویژن (جو، اب مستقل ضلع ہے) کے قریب کی ہر بستی میں بے دردی سے پانی گھس گیا۔ اگست کے مہینے میں زبردست بارش ہوئی۔ کٹیہار

[اب یہ بھی ضلع ہے]سب ڈویژن کے بیشتر گاؤں زیر آب آ گئے۔ ۱۴، ۱۵ر ستمبر کو پھر زور دار مینہ برس گیا۔ کٹیہار شہر کے بہت سے علاقے تہہ آب آ گئے۔ منیہاری ، اعظم نگر، [جو کٹیہار میں ہے] گوال پوکھر، کرن دیگھی (جو، اب مغرب بنگال میں ہے) بارسوئی، براری، کاڑھا گولہ تھانوں کی اکثر بستیاں سطح آب پر تیرنے لگیں۔ صدر شب ڈویژن پورنیہ کے علاقہ بائسی ،امور، روٹا تھانوں کی بستیوں میں پانی ہی پانی نظر آنے لگا۔ وہاں کشن گنج [جو،اب ضلع ہے]سب ڈویژن کے بہادر گنج، ٹیڑھا گاچھ، دیگھل بنک، ٹھا کر گنج کے سارے علاقوں پر سیلاب چڑھ گیا۔ تینوں سب ڈویزن کے کل چارسو اکتالیس بستیاں بے دست و پائی کا مجسمہ بن گئی تھیں۔ جانی، مالی، فصلی نقصانات بے حدوحساب تھے۔

جب بارش نہ ہونا تھی، جم کر ہوگئی۔ ماہ فروری میں بارش وسیلاب کا تانتا بندھ گیا اور جب بارش ہونا ضروری تھی ، بالکل ہی نہ ہوئی۔ تب تو بیج کی فصلیں ڈوب گئی تھیں۔ اب اگھنی دھان جو وہاں کی اہم فصل ہوتی ہے، بالکل بارش نہ ہونے کی وجہ سے بویائی نہیں کی گئی۔ یوں بے موسم سیلاب اور بے موقع خشک سالی نے کسانوں ، زمین داروں کو نان جو کا محتاج بنا کر رکھ دیا۔ حکومت بہار نے بر وقت خبر گیری کی ۔ پورے ضلع میں کل اڑھائی سو راحتی مراکز قائم کئے گئے۔ جگہ جگہ غلہ اجناس کی سستی دکانیں بھی کھولی گئیں۔ نقد وجنس ہر طرح سے حکومت ہند نے عوام کی راحت رسانی کا کام کیا۔ یوں ان کی محتاجی قدرے آسودگی میں بدلنے لگی۔

۱۹۸۷ء کا قہر آلود سیلاب: یہ ایسا ہولناک سیلاب تھا۔ جو ماضی میں ایسا کبھی نہیں ہوا تھا۔ لوگ اسے ثانی طوفان نوح سے تعبیر کرتے ہیں۔ ندیاں ساری خونخواری پر اتر آئی تھیں۔ بے قابو ہوائیں خون آشام بنی ہوئی تھیں۔ نیچے سیلاب کا پانی تیزی سے بڑھ رہا تھا۔ اوپر سے موسلا دھار بارش اندھا دھند برس رہی تھی۔ ساتھ ہی تیز طوفانی ہواؤں کے جھکڑ چل رہے تھے۔ کھیتیاں تہہ آب تو تھیں ہی، گاؤں گاؤں ،بستی بستی پانی ہی پانی ابل رہا تھا۔ جھونپڑے، گھاس پھونس کے مکانات گر گر کر بہے جا رہے تھے۔ پختہ دیواریں گر رہی تھیں۔ چھتیں زمیں بوس ہو رہی تھیں ۔ بڑے بڑے تناور درخت بھی سالم نہیں تھے۔ ٹوٹ کر یا اکھڑ کر بہے چلے جا رہے تھے۔ بھیڑ بکری، کتے ، بلی، بیل، بھینس، کا کوئی پرسان حال نہیں تھا۔ مویشی، انسان سب ہر ایک یک لخت بہہ رہے تھے۔ لاشوں پر لاشیں بہی چلی جا رہی تھی۔ فون، بجلی غائب تو تھے ہی کچی سڑکوں کا تو کیا پوچھنا، پکی پختہ سڑکیں، شاہراہیں کٹ پھٹ گئی تھیں۔ جہاں بڑے بڑے کھڈے پڑ گئے تھے۔ بانسوں بانس پانی بہہ رہا تھا۔ سیکڑوں پل اور پلیے ٹوٹ چکے تھے۔ ریلوے لائن کٹ چکی تھی۔ الغرض ثانی طوفان نوح بر پا تھا۔ بچے کھچے لوگ بچی کھچی چھتوں، درختوں، ٹیلوں پر پناہ گزیں کی حیثیت سے بھوک، پیاس سے نڈھال آہ وفغاں میں مصروف تھی۔

اس سیلاب کی ابتدا اوائل جولائی سے ہوگئی تھی۔ ۲ر اور ۴ر اگست کو اچانک پانی شہر اور دیہات میں گھس آیا تھا۔ مجسٹریٹ دفتر ، کچہری، بھٹہ بازار، لائن بازار، خزانچی، ہاٹ، باری ہاٹ، خشکی باغ، گلاب باغ، پورنیہ سیٹی، پورنیہ کچہری، سری نگر، بر بھات کالونی، دھوبیہ ٹولہ، سپاہی ٹولہ، غرض تمام شہر و اطراف شہر میں پانی بھر گیا تھا۔ یہ شہر پورنیہ کا حال تھا۔ تو گاؤں دیہاتوں کیسا برا حال رہا ہوگا۔ ادھر کو چادھامن، بیسا، امور، بائسی، روٹا، کدوا، بارسوئی، بیلیا بلون، نرپت گنج، پلاسی، کرسا کانٹھا، کشن گنج، دھمدھا، ٹھا کر گنج، قصبہ، جلال گڑھ، ارریہ، چوکی، فاربس گنج، سکٹی، دیگھل بنک، پوٹھیہ، بن منکھی ، پھوانی پور، غرض مغرب تا مشرق، شمال تا جنوب تمام سب ڈویژن، تمام تحصیلوں، تمام تھانوں، تمام کے تمام دیہاتوں اور بستیوں میں ہاہا کار مچا ہوا تھا۔ مسجدیں، مندریں، دفاتر، مدرسے اور اسکول و کالج سب تہس نہس ہو چکے تھے۔ حکومت ہند کی طرف سے بذریعہ ہیلی کو پٹر روٹیاں، بھنے ہوئے چنے، بسکٹ کے پاکٹس گرائے جاتے تھے۔ جو کسی کو ملتا، کسی کو نہیں بھی ملتا۔ فاقوں کی بدحالی سے لوگ لقمۂ اجل بن رہے تھے۔ نقل وحمل کے لئے کوئی چارسو اڑتالیس کشتیاں چلائی گئی تھیں۔ جو ضرورتوں کا پانچواں حصہ بھی نہیں تھا۔

راحت وریلیف کے امور میں ریاستی سرکار تقریباً ناکام سی ہوگئی تھی۔ مرکزی سرکار بھی خاطر خواہ توجہ نہیں دے پا رہی تھی۔ بھوک، پیاس، بے بسی، بیماری ، موت ہر سو ناچ رہی تھی۔ اس سیلاب سے نہ صرف پورنیہ، بلکہ بہار کے ۲۳ر اضلاع متاثر ہوئے تھے۔ سب سے زیادہ نقصان وتباہی کشن گنج ، ارریہ، پورنیہ، کٹیہار، سہرسہ، ، مدھے پور۔ کھگڑیا، بیگوسرائے ، مدھوبنی، دربھنگہ،

سمستی پور، سیتامڑھی، چمپارن وغیرہ میں ہوئی تھی۔تقریباً ڈھائی کروڑ لوگ ہلاک وتباہ ہوئے تھے۔لاکھوں مکانات کا پتا نہیں لگا۔ لاکھوں انسان ڈوب کر یا بہہ کر مر گئے تھے۔خلاصہ یہ کہ متاثرہ اضلاع خصوصاً پورنیہ معاشی اعتبار سے دسیوں سال پیچھے چلا گیا۔ کیوں کہ وسعت اور اثرات کے لحاظ سے یہ سیلاب سب سے زیادہ مہیب ومہلک ثابت ہوا تھا۔

۱۹۸۸ء کا زلزلہ: اہل پورنیہ ابھی اس قیامت خیز ماحول سے باہر ہی آئے تھے کہ دوسری قیامت ٹوٹ پڑی، ۲۱/اگست کی رات پورا پورنیہ محوخواب تھا۔صبح چار بج کر چالیس منٹ پر زلزلہ کی دھمک سے زمین، میدان، مکان سب دہل اٹھے۔نیند یا نیم خوابی کی حالت میں انسان بالکل دہشت زدہ تھے۔ زمین پھٹ گئی۔چشمے ابلنے لگے۔ مکانات تہہ وبالا ہونے لگے۔ جھاڑ درخت سب اجڑا کھڑ کر چٹیل میدان یا جلی ہوئی چٹان کا سماں پیش کرنے لگے۔ ہر چہار جانب کہرام مچ گیا۔حاملہ عورتیں بے وقت دردزہ میں مبتلا ہوگئیں۔ جانور کھونٹا اکھاڑ کر بھاگنے لگے۔نو بھارت ٹائمز مجریہ ۲۲/اگست کے مطابق ۴۵۰/افراد جاں بحق ہوئے۔ جانی مالی نقصانات سب سے زیادہ ہلاکت وبربادی بائسی، کشن گنج، ارریہ، فاربس گنج، دھرہرا، دھمدھا، روپولی وغیرہ علاقوں میں ہوئی تھی۔اس زلزلہ سے بہار کے دوسرے اضلاع بھی بری طرح متاثر ہوئے تھے،مگر اہلیان پورنیہ کو بھاری نقصان اٹھانا پڑا تھا۔

۲۰۰۹ء: اتنی ندیاں، اتنے سیلاب، خدا کی پناہ! ۲۰۰۹ء کا سیلاب بھی ۱۹۸۷ء کے سیلاب سے کم نہیں تھا۔ شہر پورنیہ اور مضافات پورنیہ آب وسیلاب میں یا تو ڈوب کر رہ گئے یا تو پانی کے تیز بہاؤ، زبردست طغیانیوں، سرکش لہروں، شریر دھاروں میں بہہ گئے۔مکانات ڈھہ گئے۔فصلیں تباہ ہوگئیں۔مویشی جہاں تہاں بہہ کر مر کھپ گئے۔ آج ماڈرن ٹیکنالوجی کا دور ہے۔ ٹی وی پترکاروں نے رپورٹیں لکھیں۔ٹی وی چینلوں نے وہاں کے تباہ کن مناظر کو دکھائے۔ ساری دنیا نے دیکھا اور پڑھا۔ دل میں درد انسانیت رکھنے والوں نے ریلیف وراحت کاری کا انتظام کیا۔ہم نے یہاں ممبئی میں دیکھا۔کئی تنظیموں نے پورنیہ اور بہار کے سیلاب زدوں کے لئے دل کھول کر حصہ لیا۔

۲۰۱۰ء کا طوفان بے اماں: یہ ۱۳/اپریل کی تاریخ تھی۔رات کا وقت تھا۔ دیہاتوں میں لوگ جلدی سوجاتے ہیں۔وہاں گیارہ بجے کی رات بڑی رات سمجھی جاتی ہے۔مویشیاں باروں میں اور انسان اپنے اپنے گھروں میں آسودہ خواب تھے۔ بارش اور طوفان ایک ساتھ اچانک ایسا حملہ کیا کہ لوگ سکتے میں آگئے۔نیند کی حالت میں لوگ بدحواس ہو کر اٹھے۔مگر موقع نہیں تھا کہ کوئی کسی کو سہارا دے سکے، بارش کا زور اور طوفان کا جھکڑ ہی کچھ ایسا تھا، ہر شخص اپنے آپ میں ہکا بکا ہو کر رہ گیا۔ قیامت کی یہ لہر کوئی دو تین گھنٹے تک جاری رہی۔ ماں بچوں کی، جوان بیٹا بوڑھے باپ تک کی خبر نہ لے سکے۔ کیسا قیامت خیز منظر رہا ہوگا۔ جب طوفان تھما، تو ہمت جٹا کر کچھ لوگ باہر نکلے۔ تباہی، بربادی، ہلاکت کا منظر دیکھ کر ہر ایک کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

کچے مکانات زمین بوس ہو چکے تھے۔ پختہ دیواریں اور چھتیں یا تو کریک ہو چکی تھیں یا تو گر کر سجدہ ریز ہو چکی تھیں۔جانور، آدمی سب کچھ تو ڈوب گئے تھے اور کچھ سسک سسک کر مر کھپ چکے تھے۔ درخت، جھاڑ، پیڑ، پودے اکھڑ گئے تھے۔ یا تو نصف، ثلث، ربع کٹ کٹا کر ٹوٹ پھوٹ چکے تھے۔جتنا پانی سڑکوں، باڑکوں، کھیتوں، تالابوں میں تھا، اتنا ہی پانی ہر گھر میں تھا کہ کسی گھر کا چھپر وچھت سلامت نہیں تھی۔خود میرا گھر جو نیچے پکی دیوار، اوپر ساگ کی لکڑی اور ٹین کا مضبوط بنا ہوا تھا، دیوار تو تھی، مگر اوپر کا حصہ کیل کانٹے سے لیس اڑ کر کہاں چلا گیا۔ پتا ہی نہیں چلا۔یہی حال ہزار ہا مکانوں کا تھا۔آخر اپریل ہم سب بھائی ممبئی سے وطن گئے،تو دیکھ کر کلیجے دہل کر رہ گئے۔اس طوفان میں بیسا ہلاک، امور ہلاک، بائسی ہلاک، کدوا، بارسوئی ہلاک کی بستیاں ہی زیادہ زد میں آئی تھیں۔ بوڑھوں نے بتایا کہ ایسا طوفان انہوں نے زندگی میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔

۲۰۱۷ء کا حالیہ قیامت خیز سیلاب: اس برس کے اس بلا خیز سیلاب پر میں کیا کہوں کہ ساری دنیا اپنے ماتھے کی کھلی آنکھوں سے اس سیلاب قیامت خیز کی ہولناکی وتباہ کاری دیکھ رہی ہے۔خلاصہ یہ کہ کھیت کھلیان اور جانوروں کا تو پوچھنا ہی کیا، ہزاروں انسانی جانیں تلف ہوگئیں اور ان کی لاشیں بے گور وکفن بہہ گئیں۔لاکھوں

لاکھ انسان اور مکانات بہہ گئے۔ جب پانی کچھ کم ہوا، تو لاکھوں لاکھ لوگ کھلے آسمان کے نیچے بے آب و دانہ کے رہنے پر مجبور ہو گئے۔ اب ان کے سامنے ان کے جھونپڑوں کی جگہ کھنڈر تھے یا پھر گرے پڑے مکانوں کے ملبے تھے۔ جہاں نیچے پانی، کیچڑ، گندگی تھی اور اوپر سے یا تو بارش برس رہی تھی یا دھوپ برس رہی تھی۔ اناج، ایندھن اور پینے کا پانی ناپید تھا یا سخت خراب و گندا تھا۔ جانوروں اور انسانوں کی لاشوں کی سخت و شدید ترین تعفن و بدبو نے لوگوں کی ناک پر دم کر دیا ہے اور ان کا جینا دو بھر ہو گیا ہے۔ ایسی صورت میں بیماریوں کا پھیل جانا قدرتی امر تھا۔ جب کہ دوا علاج کے مراکز بھی ٹھپ پڑے تھے۔ بس یوں سمجھیئے کہ ایک ہوش ربا قیامت برپا ہے اور لوگوں کے سروں پر موت ناچ رہی ہے۔ حاصل یہ کہ اس سیلاب بلاخیز نے پچھلے سارے ریکارڈ توڑ ڈالے ہیں۔ ارادہ ہے کہ سیمانچل کے دورے کے بعد تفصیلی رپورٹ لکھوں۔

یہ جائزہ اس بات کی پرزور وکالت اور سفارش کرتا ہے کہ مرکزی و ریاستی حکومت اور خصوصاً وہاں کے سیاست دانوں اور دانشوروں کو ایک لمحہ کی تاخیر کیے بغیر پورے بہار، خصوصاً سیمانچل کے کمر توڑ اور جان لیوا مسائل پر فوری توجہ دیں۔ تاکہ وہاں کی قوم آسودگی بھی محسوس کرے اور ترقی بھی کرے۔ یہ بات بطور خاص نوٹ کرنے کی ہے کہ دنیا کی ندیاں تو کیا، سمندر تک قابو میں کر لئے گئے ہیں۔ تب پھر کیا وجہ ہے کہ سیمانچل کی ان ندیوں اور ان کی قہر سامانیوں کو کنٹرول نہیں کیا سکتا۔ حکمرانوں اور سیاست دانوں کو یہ نکتہ ضرور یاد رہے کہ ایسا نہ کر کے یہ مسئلہ ان کی حکومت و سیاست کے کھوکھلے پن کی کھلے عام چغلی کھاتا ہے۔

دوسری خاص بات یہ ہے کہ پچھلے دس بیس برسوں میں وہاں جو تعلیمی بیداری اور معاشی خوش حالی آئی ہے، کوئی اس خوش فہمی میں نہ رہے کہ یہ بدلاؤ کسی اور کی محنت و کوشش کا نتیجہ ہے۔ یہ خوشگوار تبدیلی در اصل ان افراد و اشخاص کی محنت و مزدوری اور کوشش و کاوش کا اثر ہے، جو وہاں کی تعلیمی پس ماندگی اور معاشی بدحالی کی مار کھاتے کھاتے ۱۹۷۰ء و ۱۹۸۰ء کے دہے میں تلاش روزگار کے لئے سیمانچل چھوڑ کر دوسرے شہروں کا سفر کیا اور آج وہ بہت حد تک خوش حال بھی ہیں اور وہ اپنے بچوں کے تئیں تعلیم کے معاملہ میں حساس بھی ہیں۔ اب وہاں کے حالات میں اتنی تنگی اور تلخی نہ رہی، جو پہلے تھی۔ اس لئے اب کام کرنے کا وقت آ گیا ہے۔ حکمران و عوام اور دانشوران سب یک جٹ ہو کر سیمانچل کی ہمہ جہت تعمیر و ترقی کے لئے کام کریں۔

☆☆☆

Mob.:09869328511.
E-Mail:ghulamjabir@yahoo.com

انتقال پر ملال

زینب خاتون (زوجہ محمد طاہر حسین مرحوم) لوہا گرہ کٹیہار (بہار) کا ۸۵ سال کی عمر میں ۲۶ ستمبر ۲۰۱۷ء بروز منگل ۵ بجے دن مرض شکم کے سبب انتقال ہو گیا۔ (اناللہ وانا الیہ راجعون) مرحومہ نیک سیرت، صوم و صلوٰۃ کی پابند خاتون تھیں۔
۲۷ ستمبر ۲۰۱۷ء بروز بدھ ۱۱ بجے دن مرحومہ کی نماز جنازہ اور تدفین کیرورا میں ہوئی۔ ان کے داماد مولانا کلیم الدین مصباحی نے امامت فرمائی۔ جنازے میں کثیر لوگوں نے شرکت کی۔ مرحومہ کے سبھی بچوں، پوتوں، نواسوں نے شرکت کی۔
مرحومہ کے پسماندگان میں ۵ بیٹے، ۲ بیٹیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مرحومہ کا گلشن خوب سجایا ہے۔ دعا ہے کہ یہ گلشن یوں ہی شاد و آباد رہے۔ اللہ تعالیٰ مرحومہ کی قبر پر رضوان وغفران کی موسلا دھار بارش فرمائے اور کروٹ کروٹ رحمتیں عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم۔ مرحومہ کے انتقال کی خبر ملنے پر دہلی میں مدرسہ ابراہیمیہ جامعۃ القرآن مسجد خلیل اللہ میں قرآن خوانی ہوئی اور یوم عاشورہ کے روزہ افطار کے وقت دعائے مغفرت کی گئی۔ قارئین سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

کامل احمد نعیمی کٹیہاری۔ حروف ساز ماہنامہ کنزالایمان دہلی۔ 9717615318

پس منظر

برما کی سلگتی آگ اور عالمی سیاست کی دلچسپی

عبدالمعید ازہری★

مذہب کے نام پر ہونے والے مظالم پر مذہبی نمائندوں اور رہنماؤں کی خاموشی سے مزید انتہا پسندی اور دہشت گردی کے واقعات پیدا ہوتے ہیں کیونکہ مذہب کے نام پر تشدد خود اس مذہب سے بغاوت ہے جو اس مذہب کی بنیادی تعلیمات کو چیلنج کرتی ہے۔ تعلیمات کی توہین اور روایات کا مزاق اڑاتی ہے۔ ایسے میں اس کے لئے خود اسی مذہب کے ذمہ داروں کو آگے بڑھ کر مذہبی افکار و نظریات کے تقدس کی حفاظت کرنی ہوتی ہے۔ مذہب کے نام پر مضحکہ خیز بیانات کا سد باب کرنا ہوتا ہے۔ اس کے بعد ہی دیگر قومیں یا کوئی دوسرا معاشرہ اس بیماری کے علاج میں مددگار ثابت ہوسکتا ہے۔ دور حاضر میں مذہب کے نام پر انسانوں کی تباہی ہر مذہب کے ذمہ داروں پر ان کی اہلیت اور قابلیت کو لے کر ایک بڑا سوال ہے۔ دنیا میں نازل یا رائج تمام مذاہب کا بنیادی اور مرکزی تصور، انسان کی خدمت اور انسانیت کی حفاظت ہے۔ یا تو اس کی تعلیمات کے فروغ میں کہیں کچھ کمی ہے، اس کی تبلیغ میں کچھ کجی اور کوتاہی ہے، یا دین سے دور کرنے والے محرکات دین کی طرف راغب کرنے والے کردار سے زیادہ دلچسپ اور دل فریب ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ دین کے محافظوں نے باغیوں سے سودا کرلیا ہو۔ نتیجہ یہ ہے کہ انسان قتل ہو رہا ہے، انسانیت دم توڑ رہی ہے اور خود کو انسان کہنے والا سماج خاموش ہے۔

پاکستان، افغانستان، سیریا، عراق اور شام کی طرح نہ جانے کتنے ممالک اور وہاں کے لاکھوں انسانوں کا خون مذہب کے نام پر بہا دیا گیا۔ ایک ہی مذہب کے ماننے والوں نے مذہب کی حفاظت کے نام پر دوسرے ہم مذہب کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ یہ سازش بھی ہوسکتی ہے کہ انہیں ورغلایا گیا ہو، ان کے اہل خانہ کو اغوا کیا گیا ہو یا جرم پر آمادہ کرنے والے دیگر وذرائع کا استعمال کیا گیا ہو۔ یہاں بھی نتیجہ تو یہی ہے کہ نشانہ لگانے والے اور اس کا ہدف بننے والے کا مذہب ایک ہے پھر تو سوال ہر اس مذہبی اور تبلیغی تنظیم پر ہے کہ آخراُن کی تعلیمات کا اثر کہاں ہو رہا ہے؟ محنت کس پر ہو رہی ہے؟ نتائج کیا مرتب ہو رہے ہیں؟ تبلیغ کا دعویٰ تو بندوق چلانے والا اور خود کو بم سے اڑانے والا بھی کر رہا ہے۔

دنیا کے درجنوں ممالک کی مانند ہمارا ملک بھی مذہبی تشدد سے نہیں بچ سکا۔ اس ملک میں بھی مذہبی منافرت کی سازش کی گئی اور وہ قدرے کامیاب بھی ہے۔ پچھلی دو دہائیوں سے جس قدر مذہبی تشدد کو فروغ ملا ہے۔ اس میں عجیب بات یہ رہی ہے کہ تقریبا ہر مذہب کے پیروکاروں میں یکساں طور پر نفرت کو بڑھاوا ملا ہے۔ انہیں دہائیوں میں ہندو آتنک واد اور مسلم انتہا پسندی کی اصطلاحوں کو نکسل واد اور دہشت گردی سے زیادہ فروغ ملا۔ ان تمام چیزوں کے پیچھے ایک ہی فکر کارفرما ہوتی ہے۔ وہ ہے جانے انجانے میں خدائی کا دعویٰ کرنا۔ اپنے اپنے خداؤں کی مملکت اور ان کی بادشاہی کا انکار کرنا۔ اپنی تکنیکی ترقیوں کے آگے فطرت اور قدرت کو تابع کرنا۔

1984,92,93,2002 سے لے کر 2017 تک کے خونی حادثات پر نظر دوڑائیں تو ایک بات صاف نظر آتی ہے کہ سیاسی اقتدار حاصل کرنے کی ہوڑ میں انسان اپنی فطرت اور دائرے کو بھول گیا۔ ایک دوسرے پر حکومت کرنے کے لئے ایک دوسرے کو قتل کرنا ہی ایک راستہ بنا لیا۔ کسی انجمن کی قیادت کرنا مذہبی تصور تھا۔ اس کے خلاف ان پر حکومت کرنا اُس کے خلاف ایک تصور پیدا کیا گیا۔ اس کے لئے مذہب کو ٹھکرایا گیا بلکہ اس کا بے استعمال اور استحصال کیا گیا۔ ایسے ایمان فروشوں کی ٹولیاں تیار کی گئیں جن کے دل کبھی بھی مذہبی نہ تھے۔ مادیت کی چکا چوند کے آگے انسانی اقدار کو گھٹیا کرنا ان کا کام ہوگیا۔ ایسا کسی ایک مذہب کے ساتھ نہیں ہوا۔ یہ ایک آفاقی فکر تھی جو، ہر معاشرے میں پائی گئی۔ کہیں ترشول اور کہیں تلوار نے مقابلے کیے۔ ٹوپی اور تلک آمنے سامنے ہوئے۔ امن و محبت کی تعلیم دینے والے مذہبی رہنما نفرت پیدا کرنے لگے۔ رواداری کی بجائے معاشرے میں زہر گھولنے لگے۔ حکومت کے سائے میں اس فکر کو پناہ ملتی رہی۔ مذہبی اقدار کا زوال ہوتا رہا۔ اسلام کی جائے پیدائش عرب اپنی بنیادی مذہبی تعلیمات کا باغی بنا تو سناتن شکشا کا سب سے قدیم گہوار ہندوستان اپنے سناتنی اصولوں کی دھجیاں اڑانے لگا۔ جب صحیح علم سے معاشرہ دور کر دیا گیا تو ان کی اپنی مفاد پرست باتیں

ہی مذہبی فرمان ہوگئیں۔ایک طرف قرآن کی حفاظت اور پیغمبر کی عصمت کے بدلے میں خون بہا تو دوسری طرف دیوی دیوتاؤں کے مجسموں پر انسانوں کی بلی دی گئی۔گائے کے نام پر انسان ذبح کیے جانے لگے۔ ذبح کرنے والے میں سے 99% لوگوں کے بارے میں یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ انہیں خود کو اپنے مذہب کی تعلیمات معلوم نہیں۔گائے میں عقیدت تو ہے کہ اس کی تاریخ سے نابلد ہیں۔

برما(میانمار) میں انسانیت سوز مظالم کے پیچھے کارفرما مذہبی تشدد کیا اپنی تعلیمات کو بھلا بیٹھی ہے؟ وہاں تو چرند و پرند اور کیڑوں مکوڑوں کو بھی مارنے کی اجازت نہیں۔گوتم بدھ کی زندگی کا کوئی بھی گوشہ ایسی کسی بھی سرگرمی کا حصہ کبھی نہیں رہا۔خیر اس میں مذہب کا استعمال ہے، اس کا اپنا کوئی کردار نہیں۔میری یہ تحریر بھی شاید کسی بدھ پرست تک نہ پہنچے لیکن آج کی ٹکنالوجی کے زمانے میں امید تو کی جاسکتی ہے۔حالات برما میں بھی دگرگوں نہیں۔طالبان کے ذریعے توڑے گئے بدھ کے مجسموں کا یہ ردعمل تو ہوسکتا ہے لیکن اس ردعمل کو کب تک دہرایا جائے جائے گا؟ کس پر غصہ نکالا جائے گا۔یوں تو ہر دہشت گردی کو جواز مل جائے گا۔ نکسل وادی اپنی جگہ درست ہوں گے۔دہشت گرد بھی غلط نہیں ہوں گے۔یوں ہی آر ایس ایس، VHP اور گؤ رکشک دل سمیت دیگر انتہا پسند تحریکوں کو بھی جواز مل جانا غیر مناسب نہیں ہوگا۔

مسئلہ یہ ہے کہ مذہب کے نام پر ہونے والی انتہا پسندی خواہ کسی بھی ملک میں ہو اور کوئی قوم یا مذہب کے پیروکار اس میں ملوث ہوں، باپ کا بدلہ بیٹے سے نہیں لے سکتے۔برما میں ہونے والے مظالم کے پیچھے کوئی چھوٹے موٹے حادثے ذمہ دار نہیں۔وہاں جس طرح بدھ بھکشوں کی اپنے مذہب سے بغاوت ہے وہیں تبلیغی کارستانیاں بھی ہیں لیکن یہ سب تو ایک دکھاوا ہے، اس کے پیچھے کا بین الاقوامی کھیل کچھ اور ہی ہے۔ورنہ عراق، افغانستان، سیریا، ترکی میں انسانی حقوق کی پاسداری اور حفاظت کے نام پر اقوام متحدہ یا بہ لفظ دیگر امریکہ اور اسرائیل کی دخل اندازی ہوجاتی ہے۔

UNO میں ایک ریزولیوشن یا قرارداد پاس ہے کہ کسی بھی ملک میں انسانی حقوق اور انسانیت کی حفاظت کے تئیں عالمی برادری دخل اندازی کرے گی جسے R2P کہتے ہیں یعنی حفاظت کی ذمہ داری۔

ویسے سوال تو یہ بھی ہے کہ امریکہ برما میں کیوں پہنچنا چاہتا ہے؟ چین اور روس کی کیا دلچسپی ہے؟ ہندوستان کا اپنا سیاسی موقف کیا ہے۔ ASEAN میں شامل ممالک میں بدھ مت کی اکثریت ہے۔چین اس کا سرفہرست حصہ دار ہے۔اس میں ہندوستان نہیں۔ہندوستان کے پاس اس کے مقابلے میں SAARC ہے۔ابھی حال ہی میں ملک کے وزیر اعظم مودی جی اور یوپی کے وزیر اعلی یوگی جی کا دورہ اور دونوں ملکوں کے مابین مضبوط رشتوں کے لئے بات چیت ہوئی ہے۔اس کی کوشش پاکستان بھی کر چکا ہے۔برما کی سوچی کے گلے میں امن کا ہار پہنا کر اُن کی خوشامد کی جا چکی ہے۔امریکہ نے افغانستان میں طالبان کا تجربہ کر کے کسی بھی مسلم ملک یا مسلم ممالک میں داخلہ کا راستہ طے کر لیا ہے۔اس کا ایک اور کامیاب تجربہ خلافت عثمانیہ کے زوال میں کیا جا چکا ہے۔برما میں اس کے اثرات دیکھے جاسکتے ہیں۔

یہاں بھی نتیجہ یہی ہے کہ سب کے اپنے اپنے سیاسی مفاد ہیں لیکن مارے جانے والے انسان ہیں۔مسلمان ہیں۔انسانوں سے ہمدردی رکھنے والے تمام تنظیموں اور انفرادی ذمہ داروں کی تباہ کن خاموشی اس تباہی کی آگ میں گھی ڈالنے سے کم نہیں۔اپنے سیاسی مفاد کے چلتے کسی بھی ملک کے بنیادی اصول انسان اور انسانیت کی حفاظت سے روگردانی بھی کسی دہشت گردی سے کم نہیں۔اس کے ساتھ ہی یہ بھی اہم ہے کہ بدھ مت کے لوگ اپنے مت کے باغیوں نے ہاتھوں سے مذہبی تلوار چھینیں کیونکہ وہ تو سرحد پار کچھ سیاہ سفید تلواروں کو مدعو کر رہی ہیں۔کئی دہشت گرد تنظیموں کو برما کی حفاظت کا خیال آ رہا ہے۔اس خیال محض سے روح کانپ رہی ہے۔ خدایا کہیں داخلی خانہ جنگی کے آثار تو نہیں؟ یا پھر برما کا قتل عام کسی جنگ کی تیاری یا، ورک شاپ تو نہیں؟ جس کے شرارے ملک کے نہ جانے کتنے گوشوں کے جلانے کی طاق میں ہیں۔مدھم ہوا میں مسلسل مہکنے والی ان چنگاریوں کا ارادہ نیک معلوم نہیں ہوتا۔کئی آشیانے شعلوں کی زد میں ہیں۔ اس کے لئے کیا کرنا ہے، اس پر سب کو سوچنا ہوگا، مذہبی منافرت کے خلاف مذہبی ہم آہنگی کو کھڑا ہونا ہوگا۔سوشل میڈیا کے ذریعے جہاد یا پھر قوم کی کسمپرسی کی ذمہ داری ادا کرنے والوں کو بھی غور کرنے کی ضرورت ہے کہ اس جانب سے شیئر کی جانے والی کوئی بھی ویڈیو یا تصویر کتنی سچ ہے اور اس سے کتنا فائدہ یا نقصان ہوسکتا ہے۔اس کشمکش کے ماحول میں پہلی فرصت میں احتیاط کو لازم پکڑنا اولین ذمہ داری ہوگی۔بچا سکو تو بچا لو ورنہ راکھ میں چنگاریاں سرد ہونے کو بے تاب ہیں۔خدا کرے یہ خیال محض ہو۔

☆☆☆

Contact: 9582859385

بزم عام

اتر پردیش میں فساد متاثرین کی بے قدری اور مغالطہ آمیز معاوضہ

آکار پٹیل۔ ترجمہ: محمد انیس الرحمٰن خاں★

مظفر نگر اور شاملی میں فسادات کے چار سال بعد بھی اتر پردیش کے اس حصے میں بہت سے مسلم خاندانوں کے لیے لفظ ''معاوضہ'' ایک ظالمانہ مذاق بن گئی ہے۔ ستمبر 2013 میں فرقہ وارانہ فسادات کی وجہ سے دسیوں ہزار افراد کے بے گھر ہونے کے ایک ماہ بعد ریاستی حکومت نے اعلان کیا تھا کہ وہ منتقلی اور بحالی کے لیے ان خاندانوں کو 500,000 روپے کی ایک بار کی معاوضہ کی رقم فراہم کرے گی۔ تاہم یہ صرف ان نو گاؤں کے خاندانوں کو ملیں گے جن کے بارے میں حکام نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ اس سے سب سے زیادہ ''بدترین طریقے سے متاثر'' ہوئے ہیں۔

دسمبر تک اتر پردیش کی سماج وادی پارٹی کی حکومت نے بہت سے ریلیف کیمپوں کو منہدم کر دیا، اور بہت سے ان لوگوں کو زبردستی نکال دیا تھا جو فسادات کے دوران اپنے گھروں کو چھوڑ کر بھاگ آئے تھے۔ مظفر نگر سے 980 اور شاملی سے 820 خاندانوں نے وعدہ کیے گئے معاوضہ کو حاصل کیا لیکن ان گاؤں میں سے کم از کم 200 خاندان اب بھی انتظار کر رہے ہیں اور بدحال کالونیوں میں خستہ حالات میں رہ رہے ہیں۔ بہت سے معاملات میں ''فیملی'' کی تعریف معاوضہ کے انکار کا سبب رہی ہے۔ اتر پردیش کی ریاستی حکومت نے کہا ہے کہ وہ فیملی کی تعریف اس بنیاد پر کرتی ہے کہ آیا اُس کے اراکین ایک ہی باورچی خانے کا استعمال کرتے ہیں یا نہیں؟ (جو ہندوستان کی مردم شماری کے ذریعہ استعمال کیے جانے والے گھرانے کی تعریف کے مشابہ ہے) ضلع مظفر نگر کے چیف ڈویلپمنٹ افسر کا کہنا ہے کہ ''ایک فیملی یونٹ ایک چھت اور ایک چولہا کے اصول پر مبنی ہے۔ اس کی کئی مختلف حالتیں ہو سکتی ہیں، لیکن اگر کسی گھر میں باورچی خانہ ہے، تو اسے ایک علیحدہ گھرانہ سمجھا جاتا ہے۔''

تاہم یہ مقامی حکومت کے اہلکار کی اس تعریف کی تشریح ہے جو بالآخر یہ فیصلہ کرتی ہے کہ آیا کسی خاندان کو کوئی معاوضہ ملے گا یا نہیں؟ اور ان اہلکاروں کی فہرستوں نے بہت سے ان خاندانوں کو باہر کر دیا ہے جو کہتے ہیں کہ انھیں معاوضہ دینے سے منع کر دیا گیا، اس کے باوجود کہ وہ اس بات کو ثابت کرنے کے قابل ہیں کہ ان کے پتے ان کے رشتہ داروں سے مختلف تھے۔ مثال کے طور پر، کاکرا گاؤں کے رہنے والے طاہر کو ریاستی حکام کے ذریعہ معاوضہ دینے سے منع کر دیا گیا۔ حکام نے کہا کہ انھوں نے پہلے ہی 'اس کے والد کو معاوضہ دے دیا تھا، اور اسے اب مزید نہیں ملے گا کیونکہ وہ ایک ہی خاندان سے تھے۔ طاہر کی بیوی عمرانہ نے ہمیں بتایا کہ ''اگر حکومت ہمیں معاوضہ دے دے، تو ہم اپنا گھر بنا سکتے ہیں۔ اگر آپ ہمیں پانچ لاکھ نہیں دے سکتے ہیں تو ہم آپ سے عرض کرتے ہیں کہ ہمیں کم از کم دو یا تین لاکھ ہی دے دیں۔ کم از کم ہم اپنے رہنے کے لیے ایک گھر بنا لیں گے۔ سات لوگوں کے خاندان کو چلانا بہت مشکل ہے، طاہر ہمیشہ کام پانے کی کوشش کرنے کے لیے باہر رہتا ہے تاکہ ہم زندہ رہ سکیں۔ میرے بچے زیادہ تر وقت میں بھوکے رہتے ہیں۔''

کم از کم دو معاملات میں، خاندانوں کو اس بنیاد پر معاوضہ دینے سے انکار کر دیا گیا کہ اسے ان کے بوڑھے رشتہ داروں کو پہلے ہی ادا کر دیا گیا ہے جن کی کئی سال پہلے موت ہو چکی ہے۔ 65 سالہ یامین حمید، جو تشدد کی وجہ سے پھوگانہ گاؤں سے بھاگ گیا تھا، اسے اتر پردیش حکومت نے اس بنیاد پر منتقلی کا معاوضہ دینے سے منع کر دیا کہ حکام نے اس کے والد حامد کو پہلے ہی منتقلی کا معاوضہ دے دیا تھا جبکہ یامین کے والد حامد کی وفات 1985 میں ہو چکی تھی۔ خاندان نے معاوضہ کا دعوی کرنے کے لیے ان کی موت کے سرٹیفکیٹ کو استعمال کرنے کی کوشش کی، لیکن وہ ناکام رہے۔

انسانی حقوق کے محافظ اکرم اختر چودھری کا کہنا ہے کہ ریاست کے بہت سے خاندانوں کو ایک مشترکہ خاندان تسلیم کرنا بہت سے ایسے خاندانوں کو مؤثر طریقے سے نظر انداز کرتا ہے جو معاوضہ کے

لیے اہل ہیں۔ وہ پوچھتے ہیں ''آپ مجھے بتائیں کہ چار بھائی جنھوں نے اپنی زمین، اپنا گھر سمیت ہروہ چیز جس کے وہ مالک تھے، چھوڑ دیا ہے اور جو شادی شدہ ہیں اور ان کے پاس بچے ہیں، ان سے 500,000 روپے میں زندگی گزارنے کی توقع کیسے کی جاسکتی ہے؟ یہاں تک کہ بہت سے خاندانوں کو ریاست کی طرف سے اس بات کا جواب بھی نہیں ملا ہے کہ انھیں معاوضہ دینے سے کیوں منع کر دیا گیا ہے۔ مسلم خاندانوں نے ہمیں بتایا کہ معاوضہ کے لیے اہل خاندانوں کی شناخت کرنے کے لیے کیے گئے سروے تعصب پر مبنی تھے، کیونکہ انھوں نے اپنے ہندو پڑوسیوں کی گواہیوں پر اعتماد کیا، جن کے بارے میں امکان ہے کہ وہ خود ان فسادات میں شامل رہے ہیں۔ درحقیقت سرکاری حکام کو مناسب طور پر متاثرین کی شناخت کرنے میں ناکامی کی وجہ سے معطل کر دیا گیا ہے لیکن اس کے بعد بھی بہت سے خاندانوں کی درخواستیں بلا جواز ختم ہوجاتی ہیں اور ان کے حقوق اور وقار سے انکار کر دیا جاتا ہے۔

کچھ خاندان کہتے ہیں کہ مزید وقار حاصل کرنا غیر ممکن سا لگتا ہے۔ جو لوگ بحالی کالونیوں میں قیام کرنے کے لیے مجبور ہیں کہ جن چیزوں کو وہ اپنا حق سمجھتے تھے، جیسے صاف پینے کا پانی، کام کرنے والے بیت الخلاء، بجلی وغیرہ، وہ اب روزانہ کے چیلنج بن گئے ہیں، منور حسن کالونی میں، پانی کے پمپ سے جو پانی آتا ہے وہ پیلا ہے۔ وسیلہ پوچھتی ہیں ''براہ مہربانی ہمیں بتائیں کہ ہم اس پانی کو کھانا پکانے اور پینے کے لیے کیسے استعمال کر سکتے ہیں'' فساد متاثرہ خاندانوں کی مناسب رہائش، پانی اور صفائی کے آئینی حقوق صرف کاغذوں پر موجود ہیں۔ اتر پردیش اور مرکز کی پچھلی حکومتیں مظفر نگر اور شاملی کے بے گھر خاندانوں کے حقوق کو برقرار رکھنے میں ناکام رہی ہیں۔

فسادات اور ان کے بعد کے حالات کو سمٹ کر صرف ایک سالگرہ نہیں بن جانا چاہئے جسے ہم ہر سال 8 ستمبر کو منائیں۔ ہمیں اس بات کو یقینی بنانے کی اپنی اجتماعی ذمہ داری کو پوری کرنی چاہئے کہ اتر پردیش حکومت ان خاندانوں کی زندگیوں کی تعمیر نو میں مدد کرے۔ اس لئے آپ حضرات بھی میری اس مہم میں شامل ہوں تا کہ مظلوموں کو انصاف دلایا جاسکے۔ اگر آپ میری اس مہم میں شامل ہونا چاہتے ہیں تو برائے کرم ایمنسٹی انٹرنیشنل انڈیا کے اس نمبر 8881666736 پر ایک مس کال نہ صرف آپ دیں بلکہ اپنے احباب سے بھی درخواست کریں تاکہ مظلومین کو انصاف دلایا جاسکے۔ وسیلہ، محمد شفیع، یامین حمید، طاہر اور عمرانہ جیسے متاثرین بھائی بہن آپ سے صرف ایک مس کال کی امید رکھتی ہیں، کیا آپ یہ بھی نہیں کر سکتے؟ (چرخہ فیچرس)

انسانی حقوق پر کام کرنے والی عالمی تنظیم ایمنسٹی انٹرنیشنل انڈیا کے ایکزیکٹو ڈائرکٹر جناب آکار پٹیل ان دنوں اتر پردیش کے مظفر نگر اور شاملی اضلاع میں سال 2013 میں ہونے والے فساد متاثرین کے حقوق کی بازیابی اور حکومت کے ذریعہ معاضہ دینے کے اعلان کو عملی جامہ پہنانے میں مصروف ہیں کیونکہ اب ریاستی حکومت مختلف اندازے میں اپنے وعدوں سے راہِ فرار اختیار کرنے کی کوشش میں ہے۔ جناب آکار پٹیل سے اردو، ہندی اور انگریز زبانوں میں چلنے والی ''چرخہ فیچرس'' کے ایڈیٹر محمد انیس الرحمٰن خان نے گفتگو کی، ہم اپنے قارئین کے لئے ان سے کی گئی گفتگو کا مختصر حصہ پیش کرتے ہیں تا کہ قارئین موصوف کے خیالات سے باخبر ہوسکیں۔

سوال: آپ کی تنظیم حقوق انسانی پر تو برسوں سے کام کر رہی ہے، مگر ہمارے ملک میں اسے کس حد تک کامیابی ملی ہے؟

جواب: ایمنسٹی ہندوستان میں حقوق انسانی پر کئی دہائیوں سے کام کر رہی ہے، ہم نے سال 1985 کے دوران پنجاب میں حراست میں لیے گئے سیاسی قیدیوں کے لئے مہم چلائی، 1995 میں ریاست جموں وکشمیر میں قیدیوں پر ہونے والے تشدد کے خلاف بھی آواز بلند کیا، اور سال 2003 میں گجرات کے مسلمانوں کی ناجائز گرفتاری پر بھی مہم چلائی ہے۔ ہمارے کام نے کئی انسانی حقوق کے مسائل کو فتح کرنے میں مدد کی ہے۔ بشمول اڈیشہ کے نیام گری میں ودانتا گروپ کے ذریعہ بوکسائٹ کی کھودائی کو روکنا، جس کی وجہ سے آدی واسیوں کے حقوق کو تلف کیا جارہا تھا۔ بچوں کی حراست پر روک لگانے کے لئے جموں وکشمیر پبلک سیفٹی ایکٹ میں ترمیم اور کئی لوگوں کی رہائی جن کو غلط طریقہ سے نظر بند کر دیا گیا تھا۔

سوال: مظفر نگر اور شاملی کے تعلق سے کام کرنے کا خیال آپ کے دل ودماغ میں کیسے آیا؟

جواب: ایمنسٹی انٹرنیشنل انڈیا نے سال 2014 میں ایک ٹیم

مظفرنگر اور شاملی میں یہ معلوم کرنے کے لئے روانہ کی کہ اتر پردیش حکومت کی جانب سے فساد متاثرین کے لئے کی جانے والی باز آبادکاری کے طور طریقے کیسے ہیں۔ مذکورہ ٹیم کو پتہ چلا کہ اتر پردیش حکومت 200 سے زیادہ خاندانوں کو باز آبادکاری کا معاوضہ 5 لاکھ روپے دینے سے انکار کر رہی ہے۔ مقامی غیر سرکاری تنظیم افکار فاؤنڈیشن نے حق اطلاعات کے تحت ایک آر ٹی آئی داخل کر کے یہ معلوم کرنے کی کوشش کی کہ آخر کیا وجہ ہے کہ اتنے سارے خاندان کو معاوضہ کی رقم نہیں دی جا رہی ہے لیکن انہیں کوئی بھی جواب نہیں دیا گیا۔ اتر پردیش حکومت پوری طرح سے ان فساد متاثرین کو بھول چکی ہے۔ ہم لوگوں نے باز آباد کالونیوں کا بھی دورہ کیا اور یہ پایا کہ فساد میں بچ جانے والے لوگ انتہائی نہ گفتہ بہ حالت میں اپنی زندگی گزار رہے ہیں۔ زیادہ تر کالونیوں میں پینے کے پانی، حفظان صحت اور بجلی کی بھی سہولت میسر نہیں۔ یہ وہ ساری وجوہات تھیں جس نے ایمنسٹی انٹرنیشنل انڈیا کو افکار انڈیا فاؤنڈیشن کے ساتھ مل کر ان 200 خاندانوں کے ساتھ وسیع پیمانے پر ریسرچ کیا جس کو ریاستی حکومت نے معاوضہ دینے سے انکار کر دیا تھا، اور کیسے بار بار یوپی حکومت مذکورہ خاندان کو پست سے پستی کی طرف دھکیل رہی ہے۔

سوال: آٹھ ستمبر (۲۰۱۷ء) کو دہلی میں آپ کس طرح کا پروگرام رکھنا چاہتے ہیں؟

جواب: آٹھ ستمبر کو ہم لوگ مظفرنگر اور شاملی اضلاع کے فساد متاثرین کو پریس کلب آف انڈیا میں مدعو کر رہے ہیں تاکہ وہ اپنی بات قومی ذرائع ابلاغ کے سامنے رکھ سکیں۔ ہم امید کرتے ہیں کہ ان کی آوازوں پر دہلی اور اتر پردیش کی نئی حکومت نہ صرف کان دھرے گی بلکہ ان کا وہ معاوضہ جس کو وہ دینے سے انکار کر رہی ہے ادا بھی کرے گی۔ اس موقع پر ہم ایک ڈاکومنٹری فلم ''معاوضہ'' بھی دکھائیں گے جو تین فساد متاثرین کی زندگیوں کا 2013 سے 2017 کے درمیان احاطہ کرتی ہے۔ اس ڈاکومنٹر فلم کو نکل ساہنی نے بنایا ہے جنہوں نے ''مظفرنگر باقی ہے'' نامی فلم کو بھی کو ڈائریکٹ کیا تھا جو 2013 کے فساد کے بعد ریلیز ہوئی تھی۔

سوال: اردو اخبارات کے لئے لکھے گئے آپ کے مضمون کو ہمارے قارئین نے بڑی دلچسپی سے پڑھا ہے اور مس کال بھی کیا ہے مگر ان کے ذہن میں ایک سوال بار بار آ رہا ہے کہ آپ نے 8881666736 پر مس کال کی درخواست اپنے قارئین سے کیوں کی ہے؟

جواب: جناب! آپ نے درست فرمایا یہ سوال ضرور ذہن میں آنا چاہئے کہ ہم نے یہ درخواست کیوں کی ہے اور اس کی ضرورت کیا تھی اور ہم اس کو کیسے استعمال کریں گے؟ دراصل ہمیں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اتر پردیش حکومت کو یہ بتایا جائے کہ ہمارا معاشرہ مظفرنگر اور شاملی کے فساد متاثرین کو بھولا نہیں ہے اور وہ یہ چاہتا ہے کہ ان کی زندگی پھر سے بہتر ہو جائے۔ یہ فرقہ وارانہ فساد انتخابی مسئلہ بھی نہیں بنا، خواہ وہ اِس سال کے شروع میں ہونے والا اتر پردیش کا انتخاب ہی کیوں نہ ہو۔ یہ صاف ظاہر کرتا ہے کہ تمام لوگوں نے ان فساد متاثرین اور ان کی ضرورتوں کو کیسے بھلا دیا ہے، یہ سوچ بدلنا چاہئے۔ ایمنسٹی انٹرنیشنل انڈیا اِس مس کال کے ذریعہ عوام میں تحریک لانا چاہتا ہے تاکہ اتر پردیش حکومت پر ایک دباؤ بنایا جا سکے۔

آکار پٹیل صاحب ہم سے بات کرنے کے لئے بہت بہت شکریہ۔ ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ ہمارے تمام قارئین ہی نہیں بلکہ ہمارے ملک کا ہر انصاف پسند شہری آپ کے مشن میں کاندھے سے کاندھا ملا کر کھڑا ہے اور مس کال تو کیا، وہ دہلی میں بھی آپ کے ساتھ کھڑا نظر آئے گا۔

☆☆☆

☆ایڈیٹر چرخہ فیچرس، چرخہ ڈیولپمنٹ کمیونی کیشن نیٹ ورک، بی۔۱۰۶، شیوا لک، مالویہ نگر، نئی دہلی۔
7042293493

بزم سخن

حمد رب ذوالجلال

بحر و بر میں ظہور کیا کہنا
شانِ ربِّ غفور کیا کہنا

بے بصر نورِ ذوالجلالی دیکھ!
ذرّہ ذرّہ ہے طور کیا کہنا

ایک خالق کے خَلق ہیں سارے
جن و انسان و حور کیا کہنا

قطرہ قطرہ ہے دستِ قدرت میں
پاس کوئی نہ دور کیا کہنا

آسماں سے نزول فرمایا
آہ! آبِ طہور کیا کہنا

مانگ لو جو بھی مانگنا چاہو
بخشتا ہے ضرور! کیا کہنا

شکر پرواز اس کا کرتا جا!
وہ بڑا ہے شکور کیا کہنا

نتیجہ فکر
محمد صدام حسین پرواز
ریسرچ اسکالر دارالہدیٰ اسلامک یونیورسٹی، چماڈ، ملاپرم، کیرلا
7352564460

اسی سے جانا ہے قرآں کو میں نے

پڑھا جب سے رضا کے نعتیہ دیوان کو میں نے
تو سمجھا ہے عقیدت، عشق اور ایمان کو میں نے

اک ایسا در ہے ہندوستان میں احمد رضا کا در
جہاں پہ سر خمیدہ دیکھا ہے سلطان کو میں نے

کلام اللہ کی جو ترجمانی کنزالایماں ہے
حقیقت میں اسی سے جانا ہے قرآن کو میں نے

وہ چاہے صاحب ثروت وجاہت ہو حکومت ہو
بریلی میں جھکا دیکھا ہے ہندوستان کو میں نے

رضا کا نعتیہ دیوان پڑھ پڑھ کر محبت سے
بڑھایا نعت گوئی میں ہے اپنے گیان کو میں نے

عقیدت کا جو کچھ جذبہ بریلی کا عطیہ ہے
بچائے دل میں رکھا ہے ابھی اس دان کو میں نے

ہمیشہ کنز الایماں میں جو تیرا نام چھپتا ہے
تمہاری شاعری میں جانا ہے پہچان کو میں نے

بلائیں گے تو جائیں گے یہ ضد چھوڑ و وصیؔ صاحب
ہزاروں تجھ سا دیکھے عاشق بے جان کو میں نے

نتیجۂ فکر: ڈاکٹر وصی احمد مکرانی، ملنگوا، ضلع، سرلاہی، نیپال 8229055737

سن اے زمانے کے ستم....

مصروف صبح و شام جو، ان کی ثنا میں رہتے ہیں
واللہ وہی تو لوگ اللہ کی پناہ میں رہتے ہیں

پا کر اشارہ سورج لوٹے، ہو قمر کا سینہ شق
منکر اگر اب بھی نہ مانے تو خطا میں رہتے ہیں

مشکل کشا ہیں مصطفی رب کی عطا سے منکرو!
رکھتے نہیں جو یہ عقیدہ وہ بلا میں رہتے ہیں

سن اے زمانے کے ستم گر اب ہمیں نہ چھیڑ تو
ہر وقت ہر جا مصطفی کی ہم نگاہ میں رہتے ہیں

چھوٹا نہیں حضرت بلال سے عشق انگاروں میں بھی
شل ہو گئے وہ ہاتھ جو اُن پر جفا میں رہتے ہیں

خوش بخت ہیں وہ کتنے جو طیبہ نگر کو جاتے ہیں
جا کے مدینہ دیکھ وہ باغ جناں میں رہتے ہیں

اسحاق سب دکھ درد اُن کے ہوں گے کیوں نہ الوداع
جو گنگنا کر نعت شہ دیں کی ثنا میں رہتے ہیں

نتیجۂ فکر: محمد اسحاق اکبری نقشبندی، اودے پور (راجستھان) 9413218017

درخواست

نئے شاعروں سے گزارش ہے کہ وہ کسی کہنہ مشق شاعر سے اپنے کلام کی اصلاح کرالیں پھر طباعت کے لیے بھیجیں اور خود بھی اپنا کلام پڑھ کر دیکھ لیں کہ روانی ہے کہ نہیں؟ ہر شعر میں الگ الگ انداز سے زبان رکتی ہے تو محسوس کیا جا سکتا ہے کہ خامی کا امکان ضرور ہے۔ اصلاح کرلیں گے تو مزید باریکیاں بھی معلوم اور محسوس ہوں گی۔ (ادارہ)

روضہ ہے لاجواب

موتی ہے لاجواب نہ ہیرا ہے لا جواب
کعبہ ہے لاجواب تو طیبہ ہے لا جواب
سارا جہان چھان کے بولے یہ جبرئیل
شہر رسولِ پاک میں کہتے ہیں یہ مَلک
دیکھا ہے معجزہ تو کہا قدسیوں نے یہ
رحمت کی بارشوں میں ، چلو دیکھنے چلیں
جس کی مثال پیش زمانہ نہ کر سکا
حسن وحسین ، گلشنِ زہرہ کے پھول ہیں
پائے رسولِ پاک پہ جو ہو گیا فدا
دنیا کی چاہتوں سے بچائے ہمیں خدا
خواجہ پیا کی شانِ کرامت کو دیکھ کر
سارے جہاں میں دھوم بریلی شہر کی ہے
عاشق ہوئے ہیں طیبہ کے ایسا کہ آج تک
عرب وعجم میں دھوم کلامِ رضا کی ہے
نجدی وہابیوں کا عقیدہ خراب ہے
بزمِ رسولِ پاک میں آ کر تو دیکھئے
عرفان قادری کے بھی اشعار دیکھ لو

شہرِ نبیٔ پاک کا ذرّہ ہے لا جواب
سرکارِ دوجہاں کا گھرانا ہے لا جواب
پیارے نبی کا حسن سراپا ہے لا جواب
اے شاہِ دیں! تمہارا مدینہ ہے لا جواب
شمس وقمر پہ ان کا تو قبضہ ہے لا جواب
جو جنتی دیار میں روضہ ہے لا جواب
وہ مصطفےٰ کا گنبد خضریٰ ہے لا جواب
دونوں جہاں میں گلشن زہرہ ہے لا جواب
سب نے کہا کہ بس وہی بندہ ہے لا جواب
پیارے نبی کا چاہنے والا ہے لا جواب
کہتے ہیں سب کہ ہند کا راجہ ہے لا جواب
شہر رضا کا دہر میں چرچا ہے لا جواب
ہر سمت ان کے عشق کا شہرہ ہے لا جواب
لکھا ہے جو بھی عشق میں، تحفہ ہے لا جواب
اہلِ سنن کا دیکھو عقیدہ ہے لا جواب
ابر کرم تو جھوم کے برسا ہے لا جواب
نعتِ حبیبِ پاک کا مصرعہ ہے لا جواب

نتیجۂ فکر: عرفان رضا قادری، چھپرہ (بہار) 9546004116

ہندوستان میں

رتبہ تیرا نرالا ہے دونوں جہان میں
جنت تو دور اس کی وہ خوشبو نہ پائے گا
ہوش وخرد ہیں دوستو آقا کے شہر میں
چہرے پہ بوجہل کے ہے چھائی منحوسیت
شان نبی میں سوچ سمجھ کر ہی بولنا
مٹی جو اڑ رہی تھی ضلالت کی چار سو
دل سے اے عبد مصطفےٰ نعت نبی پڑھو

رب نے اتار دی ہے یہ آیت قرآن کی
گستاخی کر رہے ہیں جو آقا کی شان میں
گرچہ پڑا ہوا ہوں میں ہندوستان میں
جورش لگی ہے کفر کی جب سے دکان میں
نکلا جو تیرا آیا نہیں پھر کمان میں
اب رک گئی ہے دیکھئے اک ہی آن میں
ہوگا نزول خیر بھی تیرے مکان میں

نتیجۂ فکر: عبد المصطفےٰ شعبہ درس نظامی، جماعت سادسہ، جامعہ ضیائیہ فیض الرضا، ددری، سیتامڑھی (بہار) 9546004116

نعت پاک

اے شاہ اُمم ہم کو طیبہ میں بلا لینا
منجدھار میں بیڑا ہے للہ بچا لینا

عاصی ہیں سر محشر ہم روئیں تو پھر ہم کو
معصوم سمجھ کر تم سینے سے لگا لینا

ہم جیسے غریبوں کی بخشش کا سبب تم ہو
اُمت کی خبر آقا تم روزِ جزا لینا

اک شمع رسالت پہ مٹنے کی ادالیں گے
پروانو! ذرا تم بھی یہ عہد وفا لینا

سرکار سے یہ کہنا دیوانے تڑپتے ہیں
جانا تو مری عرضی اے بادِ صبا لینا

جب سرور عالم کے روضے پہ پہنچنا تم
سر جذبِ عقیدت سے اُس در پہ جھکا لینا

عشاق نبی دیکھو انوار کی بارش میں
سوئی ہوئی تقدیریں پل بھر میں جگا لینا

اس بابری مسجد سے اُس مسجد اقصیٰ تک
تم اپنی جبینوں کو سجدوں سے سجا لینا

اس ہند میں اے قیصرؔ جینے سے تو بہتر ہے
تم جا کے مدینے میں جنت کا مزا لینا

OOO

نتیجۂ فکر: قیصر الہ آبادی

حسینی غدر، ۱۸۵۷ کی مانند ہے جناب
انگریز لکھے ''غدر'' ہے اور شجرہ دار بھی

ہے اپنا عقیدہ اور عقیدت بھی یہی ہے
ہوگا کوئی یزید لیکن حسین ہیں

رضوی کتاب گھر دہلی کی تازہ ترین مطبوعات

فقہ حنفی اور امام احمد رضا

قیمت 260 — صفحات 448

مصنف: یٰس اختر مصباحی

ناشر : دار القلم، قادری مسجد، ذاکر نگر، نئی دہلی۔25
تقسیم کار : رضوی کتاب گھر، دہلی۔6

مندرجہ ذیل عناوین وموضوعات سے اس کتاب کا تعارف بآسانی ہوجاتا ہے: عکس حیات وخدمات۔ احترام اہل بیت وعلمائے دین۔ ضروریات دین ومذہب، تکفیر کا مسئلہ، ختم نبوت کا مسئلہ، شریعت مطہرہ کی حکمت بالغہ، استنباط واستخراج اور مقاصد شریعت، فقہا ومجتہدین اور فقہ واجتہاد، فتاویٰ رضویہ سے اتفاق واختلاف، دارالاسلام اور دارالحرب، تحریک ندوۃ العلماء، تحریک خلافت وترک موالات، وعظ وبیان اور تردید وابطال، ردِ بدعات ومنکرات، سفر آخرت، جدید علمائے عرب کا ہدیۂ تبریک، مختلف جامعات میں کی جانے والی تحقیقات، علمائے سوادِ اعظم کا شخصیاتی تسلسل۔ مشائخ مارہرہ اور علمائے بدایوں وبریلی، فروعی اختلاف کی نوعیت وحیثیت، سوادِ اعظم کے مختلف طبقات ومسالک، شیرازہ بندی کا لائحۂ عمل، اتحادِ امت کا قرآنی مفہوم، تعمیر کی جانب۔

مزید معلومات کے لیے کتاب حاصل کریں اور ضرور مطالعہ کریں

ہم اور ہمارا ہندوستان

قیمت: 80 — صفحات: 112

تالیف: یٰس اختر مصباحی

ہندوستان کی موجودہ سماجی، مذہبی، سیاسی اور قانونی صورت حال کے تناظر میں یہ کتاب منظر عام پر آئی ہے۔ ہندوتوا، اور سنسکرتک راشٹریتا کی آتش بازی، مغل سرائے جنکشن کا نام پنڈت دین دیال اُپادھیائے جنکشن، مدارس اور جہاد کے خلاف پروپیگنڈہ کی حقیقت، مسلمان کیوں کہیں وندے ماترم؟ خاک وطن سے محبت، وندے ماترم وسرسوتی وندنا (وغیرہ) عناوین کے تحت موضوع سے متعلق اس کتاب میں خاصی معلومات جمع کی گئی ہیں جن کے بین السطور سے بھی بہت کچھ معلوم کیا جاسکتا ہے۔ اِس کا دیباچہ اور مقدمہ خاصی معلوماتی ہے۔ اخیر کے تین مضامین مطبوعہ ہیں۔

تین طلاق اور حکم شریعت

قیمت 80/- — صفحات 112

تالیف: یٰس اختر مصباحی

موجودہ ہندوستان میں طلاق ثلاثہ کی سرکاری، سیاسی اور میڈیائی ہنگامہ خیزیوں کو بیان کرنے کے بعد اس کتاب میں نکاح وطلاق، تین طلاق اور حکم شریعت، طلاق ثلاثہ کے نفاذ پر اجماع امت، مسلم پرنسل لا، اور کامن سِول کوڈ، تحریک تحفظ شریعت، طلاق ثلاثہ اور ائمۂ مذاہب اربعہ، مسئلہ طلاق اور قرآن وحدیث، تین طلاقوں پر بحث اور طلاق ثلاثہ کی تاثیر وجمہوریت کو بحث وبیان کا عنوان بنایا گیا ہے۔

تاجدار کربلا اور تاریخ خلافت

قیمت 250/- — صفحات 552

مصنف: مفتی محمد علی فاروقی

یہ تاریخ کربلا کے موضوع پر ایک نئی کتاب ہے جس کا اندازِ بیان خطابی ہے اور خطیبوں کی ضرورت کا خیال رکھا گیا ہے۔ اِس کتاب کی یہ دو بحثیں اس عنوان کی دوسری کتابوں سے الگ ہیں (۱) خلافت مدینہ سے ترکی تک اور (۲) حدیث قسطنطنیہ اور یزید۔ بقول مولف حضرت صدر الافاضل کی کتاب ''سوانح کربلا'' اور حضرت فقیہ ملت مفتی جلال الدین احمد امجدی کی کتاب ''خطبات محرم'' سے خوب استفادہ کیا گیا ہے۔

آج ہی رابطہ کر کے اِن سبھی کتابوں کو حاصل کریں۔